سب ٹائیٹل

فہرست

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

ابتدائیہ

نَحْمَدُہٗ وَنُصَلِّیْ عَلٰی رَسُوْلِہِ الْکَرِیْمِ أَمَّا بَعْدُ!

شریعت کے پانچ اجزاء ہیں:

اعتقادات، عبادات، معاملات، اخلاقیات اور معاشرت

ان میں سب سے اہم اور بنیادی جزء "اعتقادات" ہیں۔ انہی پر باقی اجزاء کا قبول ہونا موقوف ہے۔ اگر اعتقادات صحیح ہوں تو باقی اعمال اللہ تعالیٰ قبول فرماتے ہیں، اگر یہی فاسد ہو جائیں تو باقی اعمال کی قبولیت ناممکن ہے۔

اھل السنۃ والجماعۃ کے عقائد پر کئی کتب موجود ہیں البتہ امام ابو جعفر احمد بن محمد بن سلامہ الطحاوی کی تالیف "العقیدۃ الطحاویۃ" اپنے اختصار اور جامعیت کے پیش نظر بنیادی حیثیت کی حامل ہے۔ یہی وجہ ہے کہ عرب و عجم کے جامعات اور مدارس میں عقائد کے باب میں داخل نصاب ہے اور اھل السنۃ والجماعۃ کے تمام مذاہب کے نزدیک یہ متفقہ اور مسلمہ دستاویز کی حیثیت رکھتی ہے۔

عقائد کی اہمیت کے پیش نظر ہم نے مختلف متون پر کام کا سلسلہ شروع کرنے کا ارادہ کیا ہے جس کا آغاز شرح عقیدہ طحاویہ سے کر رہے ہیں۔ اس شرح پر ہم نے درج ذیل جہات سے کام کیا ہے:

1: شروع میں امام طحاوی رحمۃ اللہ علیہ کے حالات کو ذکر کیا ہے۔

2: کتاب میں ذکر کردہ عقائد پر نمبر لگائے ہیں۔

3: ان عقائد کا سلیس اردو ترجمہ کیا ہے۔

4: ہر عقیدہ کی مختصر سی تشریح کی ہے۔

5: اکثر مقامات پر دلائل بھی ذکر کیے ہیں۔

6: بعض مقامات پر اہم اشکالات کا جواب بھی دیا ہے۔

7: بعض تعارضات کو بھی حل کیا ہے۔

ان شاء اللہ اس سلسلہ کو آگے بڑھایا جائے گا اور عقائد کی مختلف کتب کو سلیس کر کے عام فہم تشریحات کے ساتھ پیش کیا جائے گا تاکہ عقائد کے حوالے سے عوام وخواص کے پاس ایک وسیع ذخیرہ موجود ہو۔

بندہ نے ملک و بیرون ملک مختلف مقامات پر عقیدہ طحاویہ کا درس دیا ہے۔ مرکز اھل السنۃ والجماعۃ سرگودھا میں منعقد ہونے والے 2018ء کے دورہ تحقیق المسائل میں بھی اسے سبقاً سبقاً تفصیل کے ساتھ پڑھایا ہے جس کی ویڈیوز Ahnaf Media Service کے یوٹیوب چینلز اور فیس بک پیجز پر اپ لوڈ کر دی گئی ہیں۔ زیر نظر شرح عقیدہ طحاویہ کو ان ویڈیو اسباق کے ساتھ ملاحظہ کیا جائے تو انتہائی مفید ہو گا۔

قارئین سے گزارش ہے کہ اگر کوئی غلطی دیکھیں تو مطلع فرمائیں تاکہ آئندہ ایڈیشن میں اس کی اصلاح کی جاسکے۔

محتاج دعا

محمد الیاس گھمن

مرکز اھل السنۃ والجماعۃ سرگودھا

امام طحاوی رحمۃ اللہ علیہ کے حالات

نام ونسب:

ابو جعفر احمد بن محمد بن سلامہ بن سلمہ الاَزْدِی الحَجْری المصری الطحاوی

"اَزْد" یمن کے ایک مشہور قبیلہ کا نام ہے، اس کی ایک شاخ "اَزْد شَنُوءَہ" اور دوسری "اَزْد حَجُر" ہے۔ آپ کا نسبی تعلق دوسری شاخ "اَزْد حَجُر" سے تھا اس لیے "الاَزْدِی الحَجْری" کہلائے۔

"مصری" ملک مصر کی طرف نسبت کی وجہ سے ہے اور "طحاوی" صحرائے مصر کے ایک گاؤں "طحا" کی طرف نسبت کی وجہ سے ہے جہاں آپ کی ولادت ہوئی۔

ولادت و تحصیل علم:

آپ سن 239 ہجری میں پیدا ہوئے۔ آپ کے والد ماجد عالم فاضل اور پرہیز گار انسان تھے۔ ادب اور شعر و سخن کا عمدہ ذوق رکھتے تھے۔ والدہ ماجدہ نیک سیرت اور خدا ترس خاتون تھیں اور فقہ شافعی کی بڑی فقیہہ اور عالمہ تھیں۔ علامہ جلال الدین عبد الرحمٰن بن ابی بکر السیوطی الشافعی (ت 911ھ) نے ان کا ذکر مصر کے شافعی فقہاء میں کیا ہے۔ آپ کے ماموں امام ابو ابراہیم اسماعیل بن یحییٰ المزنی رحمۃ اللہ علیہ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے بڑے تلامذہ میں سے تھے۔ یوں آپ کو ایک علمی گھرانہ میں پرورش نصیب ہوئی۔

امام طحاوی رحمۃ اللہ علیہ نے سب سے زیادہ استفادہ اپنے ماموں امام مزنی سے کیا اور انہی سے مسند الشافعی بھی روایت کی۔ ان کے علاوہ مصر، یمن، بصرہ، کوفہ، شام، خراسان اور دیگر اسلامی ممالک کے اساتذہ و شیوخ حدیث و فقہ سے بھی استفادہ کیا۔ علامہ زاہد بن الحسن الکوثری (ت 1371ھ) لکھتے ہیں:

مَنِ اطَّلَعَ عَلٰى تَرَاجِمِ شُيُوْخِ الطَّحَاوِيِّ عَلِمَ أَنَّ بَيْنَهُمْ مِصْرِيِّيْنَ وَ مَغَارِبَةً وَ يَمَنِيِّيْنَ وَ بَصْرِيِّيْنَ وَ كُوْفِيِّيْنَ وَ حِجَازِيِّيْنَ وَ شَامِيِّيْنَ وَ خُرَاسَانِيِّيْنَ وَ مِنْ سَائِرِ الْأَقْطَارِ فَتَلَقّٰى مِنْهُمْ مَا عِنْدَهُمْ مِنَ الْأَخْبَارِ وَ الْآثَارِ، وَ قَدْ تَنَقَّلَ فِي الْبُلْدَانِ الْمِصْرِيَّةِ وَ غَيْرِ الْمِصْرِيَّةِ لِيَتَحَمَّلَ مَا عِنْدَ شُيُوْخِ الرِّوَايَةِ فِيْهَا مِنَ الْحَدِيْثِ وَ سَائِرِ الْعُلُوْمِ. (الحاوی فی سیرۃ الطحاوی للکوثری: ص18)

ترجمہ: جو شخص امام طحاوی رحمۃ اللہ علیہ کے شیوخ پر نظر ڈالے گا تو اسے بخوبی معلوم ہو جائے گا کہ ان کے شیوخ مصری، مغربی، یمنی، بصری، کوفی، حجازی، شامی، خراسانی مختلف ممالک کے حضرات ہیں جن سے آپ نے حدیث کو حاصل کیا۔ آپ نے مصر اور دیگر ممالک کے شہروں کا بھی رخ کیا تا کہ وہاں کے شیوخ حدیث سے علم حدیث اور دیگر علوم حاصل کریں۔

آپ کے اساتذہ کی فہرست بڑی طویل ہے۔ ان میں سے مشہور یہ ہیں:

1: امام اسماعیل بن یحیی المزنی شافعی (ت264ھ)

2: امام یونس بن عبد الاعلیٰ (ت264ھ)

3: قاضی الکبیر ابو بکر بکار بن قتیبہ البصری (ت270ھ)

4: امام ابراہیم بن ابی داؤد سلیمان بن داؤد الاسدی (ت270ھ)

5: امام ربیع بن سلیمان المرادی (ت270ھ)

6: امام قاضی احمد بن ابی عمران البغدادی (ت280ھ)

7: امام ابو خازم عبد الحمید بن عبد العزیز القاضی (ت292ھ)

8: امام احمد بن شعیب بن علی النسائی صاحب السنن (ت303ھ)

9: امام ابو بشر احمد بن محمد بن حماد الدولابی (ت310ھ)

10: امام ابو بکر بن ابی داؤد السجستانی (ت316ھ)

اسی طرح بہت سے حضرات نے آپ سے استفادہ بھی کیا جن میں سے چند

یہ ہیں:

1: قاضی مصر امام احمد بن ابراہیم بن حماد (ت 329ھ)

2: امام ابو القاسم عبد اللہ بن محمد بن احمد المعروف ابن ابی العوام (ت 335ھ)

3: مؤرخ ابو سعید عبد الرحمٰن بن احمد بن یونس المصری (ت 347ھ)

4: محدث مَسْلَمہ بن القاسم القرطبی (ت 353ھ)

5: امام حافظ ابو القاسم سلیمان بن احمد الطبرانی (ت 360ھ)

6: امام ابو الفرج احمد بن قاسم بن الخَشَّاب (ت 364ھ)

7: امام ابو احمد عبد اللہ بن عدی بن عبد اللہ الجرجانی (ت 365)

8: امام ابو سلیمان محمد بن زبر الدمشقی (ت 379ھ)

9: امام محمد بن المظفر البغدادی (ت 379ھ)

10: امام ابو بکر بن المقری (ت 381)

فقہی مسلک:

امام طحاوی رحمۃ اللہ علیہ نے چونکہ سب سے پہلے اور زیادہ استفادہ اپنے ماموں امام مزنی رحمۃ اللہ علیہ سے کیا اس لیے طبعی طور پر فقہ شافعی کی طرف مائل تھے لیکن بعد میں آپ نے شافعی مسلک چھوڑ دیا اور فقہ حنفی سے منسلک ہو گئے۔

اس تبدیلی کی کیا وجہ بنی؟ اس بارے میں علامہ زاہد الکوثری نے دو روایتیں پیش کی ہیں:

(1): ابو سلیمان بن زبر خود امام طحاوی کا قول نقل کرتے ہیں، فرماتے ہیں:

قَالَ لِیْ أَبُوْ جَعْفَرِ نِ الطَّحَاوِیُّ: أَوَّلُ مَنْ کَتَبْتُ عَنْہُ الْحَدِیْثَ الْمُزَنِیُّ وَ أَخَذْتُ بِقَوْلِ الشَّافِعِیِّ فَلَمَّا کَانَ بَعْدَ سِنِیْنَ قَدِمَ أَحْمَدُ بْنُ أَبِیْ عِمْرَانَ قَاضِیًا

عَلٰی مِصْرَ فَصَحِبْتُهٗ وَ أَخَذْتُ بِقَوْلِهٖ وَ كَانَ يَتَفَقَّهُ لِلْكُوْفِيِّيْنَ.

(الحاوی فی سیرۃ الطحاوی للکوثری: ص15،16)

ترجمہ: مجھے امام طحاوی نے فرمایا کہ میں نے سب سے پہلے حدیث اپنے ماموں امام مزنی سے حاصل کی اور امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے مسلک پر تھا۔ چند سال بعد جب احمد بن ابی عمران مصر میں قاضی بن تشریف لائے تو میں ان کی مجلس میں جانے لگا۔ چونکہ وہ فقہ حنفی کے فقیہ تھے اس لیے (ان کی صحبت اور دلائل کی قوت کی بناء پر) میں نے بھی فقہ حنفی کو اپنالیا۔

(2): محمد بن احمد شروطی کہتے ہیں کہ میں نے امام طحاوی سے پوچھا:

لِمَ خَالَفْتَ مَذْهَبَ خَالِكَ؟ وَاخْتَرْتَ مَذْهَبَ أَبِيْ حَنِيْفَةَ فَقَالَ: لِأَنِّيْ كُنْتُ أَرٰى خَالِيْ يُدِيْمُ النَّظَرَ فِيْ كُتُبِ أَبِيْ حَنِيْفَةَ فَلِذٰلِكَ انْتَقَلْتُ إِلَيْهِ.

(الحاوی فی سیرۃ الطحاوی للکوثری: ص16)

ترجمہ: آپ نے اپنے ماموں کا مذہب چھوڑ کر امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ کا مذہب کیوں اپنایا؟ امام طحاوی رحمۃ اللہ علیہ نے جواب دیا کہ میں اپنے ماموں امام مزنی کو دیکھتا تھا کہ وہ ہر وقت امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کی کتب کا مطالعہ کرتے تھے (تو میں نے بھی ان کتب کا مطالعہ کیا) اس لیے حنفیہ کی طرف مائل ہوا۔

امام طحاوی رحمۃ اللہ علیہ کے ہم عصر علماء:

امام طحاوی رحمۃ اللہ علیہ کی جلالت شان اور عظمت کا اندازہ اس بات سے لگایا جا سکتا ہے کہ آپ اس دور کے عالم ہیں جس میں مشہور و معروف اساطین علم کثرت سے موجود تھے۔ چند ایک حضرات کی تاریخ ولادت اور وفات ملاحظہ فرمائیں۔ نیز یہ بھی ملاحظہ فرمائیں کہ ان کی وفات کے وقت امام طحاوی رحمہ اللہ کی عمر کتنی تھی؟!

اسماء ائمہ مع سن ولادت ووفات	عمر امام طحاوی
محمد بن اسماعیل البخاری (و194ھ،ت256ھ)	17سال
مسلم بن حجاج القشیری (و204ھ،ت261ھ)	22سال
ابو عبد اللہ محمد بن یزید ابن ماجہ (و209ھ،ت273ھ)	34سال
ابو داؤد سلیمان بن الاشعث (و202ھ،ت275ھ)	36سال
ابو عیسیٰ محمد بن عیسیٰ بن سورۃ الترمذی (و209ھ،ت279ھ)	40سال
ابو عبد الرحمٰن احمد بن شعیب النسائی (و215ھ،ت303ھ)	60سال

امام طحاوی رحمۃ اللہ علیہ؛ امام مسلم، امام ابو داؤد، امام نسائی، امام ابن ماجہ وغیرہ کے ساتھ بعض اساتذہ میں بھی شریک ہیں۔ چنانچہ آپ کے شیخ امام ہارون بن سعید الایلی سے امام مسلم، امام ابو داؤد، امام نسائی اور امام ابن ماجہ نے روایت لی ہے۔ اسی طرح آپ کے شیخ امام ربیع بن سلیمان الجیزی سے امام ابو داؤد اور امام نسائی نے روایت لی ہے۔

(الحاوی فی سیرۃ الطحاوی للکوثری: ص5،6)

امام طحاوی رحمۃ اللہ علیہ کا علمی مقام:

علامہ محمد امین بن عمر ابن عابدین شامی حنفی (ت1252ھ) نے لکھا ہے کہ امام طحاوی رحمۃ اللہ علیہ مجتہد فی المسائل تھے جیسے امام ابو بکر احمد بن عمرو بن مہران خصاف (ت261ھ)، ابو الحسن عبید اللہ بن الحسین الکرخی (ت340ھ)، شمس الائمہ عبد العزیز بن احمد بن نصر بن صالح البخاری الحلوانی (ت456ھ)، فخر الاسلام علی بن محمد بن الحسین بن عبد الکریم البزدوی (ت482ھ)، شمس الائمہ امام محمد بن احمد بن ابی سہل السرخسی (ت483ھ)، امام فخر الدین حسن بن منصور الاوزجندی المعروف قاضی خان (ت592ھ) ہیں، یعنی یہ حضرات اصول وفروع میں اپنے امام کی مخالفت

نہیں کرتے بلکہ اپنے امام کے اصول و قواعد کو سامنے رکھ کر ان مسائل کے احکام کا استنباط کرتے ہیں جن کے بارے میں صاحبِ مذہب سے روایت نہ ہو۔

(رد المحتار لابن عابدین: ج1 ص181 مطلب فی طبقات الفقہاء)

آپ کے بارے میں اہلِ علم کی آراء:

1: علامہ ابو سعید عبد الرحمٰن بن احمد بن یونس المصری (ت347ھ) فرماتے ہیں:

وَكَانَ ثِقَةً ثَبْتًا فَقِيْهًا عَاقِلًا لَمْ يُخَلِّفْ مِثْلَهٗ.

(تاریخ ابن یونس المصری: ص22)

ترجمہ: آپ ثقہ، قابل اعتماد اور صاحب عقل و دانش فقیہ تھے۔ آپ کے بعد آپ کی مثل کوئی نہیں ہوا۔

2: علامہ ابو الفرج محمد بن اسحاق الندیم (ت438ھ) لکھتے ہیں:

وَكَانَ أَوْحَدَ زَمَانِهٖ عِلْمًا وَزُهْدًا. (الفہرست لابن ندیم: ص260)

ترجمہ: آپ اپنے زمانے میں علم اور عبادت میں یکتا تھے۔

3: امام ابو عمر یوسف بن عبد اللہ ابن عبد البر القرطبی المالکی (ت463ھ) فرماتے ہیں:

كَانَ الطَّحَاوِيُّ كُوْفِيَّ الْمَذْهَبِ وَكَانَ عَالِمًا بِجَمِيْعِ مَذَاهِبِ الْفُقَهَاءِ

(الجواہر المضیۃ لعبد القادر القرشی: ص72)

ترجمہ: امام طحاوی مذہب کوفہ (فقہ حنفی) پر عمل پیرا تھے اور تمام فقہاء کے مذاہب کو جاننے والے ہیں۔

4: علامہ شمس الدین ابو عبد للہ محمد بن احمد بن عثمان ذہبی (ت748ھ) فرماتے ہیں:

اَلْحَافِظُ الْكَبِيْرُ مُحَدِّثُ الدِّيَارِ الْمِصْرِيَّةِ وَفَقِيْهُهَا... مَنْ نَظَرَ فِيْ تَوَالِيْفِ هٰذَا الْإِمَامِ عَلِمَ مَحَلَّهٗ مِنَ الْعِلْمِ وَسَعَةَ مَعَارِفِهٖ.

(سیر اعلام النبلاء للذھبی: ج15 ص27)

ترجمہ: آپ بڑے حافظ اور مصر کے شہروں کے محدث اور فقیہ تھے۔ جو شخص آپ کی

کتابوں کو پڑھے دیکھے گا تو اسے معلوم ہو گا کہ آپ کا علمی مقام بہت بلند اور معلومات کی وسعت بہت زیادہ تھی۔

5: حافظ ابو الفداء اسماعیل بن خطیب ابن کثیر دمشقی شافعی (ت 774ھ) فرماتے ہیں:

اَلْفَقِیْهُ الْحَنَفِیُّ صَاحِبُ الْمُصَنَّفَاتِ الْمُفِیْدَةِ وَالْفَوَائِدِ الْغَزِیْرَةِ وَهُوَ أَحَدُ الثِّقَاتِ الْأَثْبَاتِ وَالْحُفَاظِ الْجَهَابِذَةِ. (البدایۃ والنہایۃ لابن کثیر: ج11 ص186)

ترجمہ: آپ حنفی فقیہ تھے، کئی ایک مفید اور نافع کتب تصنیف فرمائیں۔ ثقہ اور قابل اعتماد آدمی تھے اور ماہرین حفاظ میں آپ کا شمار ہوتا تھا۔

تصانیف:

امام طحاوی رحمۃ اللہ علیہ نے کئی کتب تصنیف فرمائی ہیں۔ ان میں سے چند ایک درج ذیل ہیں:

1: احکام القرآن.... یہ کتاب تفسیر میں آپ کی علمی مہارت کی دلیل ہے۔ 2 جلدوں میں چھپی ہے لیکن نامکمل چھپی ہے۔ اس کا ایک مخطوطہ ترکی کے مکتبہ وزیر کبریٰ میں رقم 814 کے تحت موجود ہے۔

2: شرح معانی الآثار.... یہ آپ کی پہلی تصنیف ہے۔ اسے آپ نے فقہی ابواب کے اعتبار سے ترتیب دیا ہے۔ اس میں اختلافی مسائل کو جمع کیا ہے۔ اس میں آپ کا طرز یہ ہے کہ پہلے مذہب حنفی اور دوسرے مذاہب کے دلائل ذکر کرتے ہیں، پھر مذہب حنفی کے دلائل کی وجوہِ ترجیح بیان فرماتے ہیں اور دوسرے مذہب کے دلائل کے جوابات بھی دیتے ہیں۔

3: شرح مشکل الآثار.... اس میں آپ نے متعارض احادیث میں پائے جانے والے ظاہری تضاد کو ختم کیا ہے۔ نیز احادیث سے استخراجِ احکام کا کام بھی کیا ہے۔

4: مسند الشافعی.... آپ نے اس کتاب میں ان روایات کو جمع فرمایا جو اپنے ماموں امام

مزنی رحمۃ اللہ علیہ سے سنی تھیں۔

5: العقیدۃ الطحاویۃ.... اس میں اھل السنۃ والجماعۃ کے عقائد کو جمع کیا ہے۔

6: "اَلتَّسْوِیَۃُ بَیْنَ حَدَّثَنَا وَ أَخْبَرَنَا".... یہ چھوٹا سا رسالہ ہے جس میں علم حدیث کی ایک اصطلاح "حَدَّثَنَا" اور "أَخْبَرَنَا" کے بارے میں بحث کی گئی ہے۔

7: اختلاف العلماء فی الفقہ.... یہ بہت بڑی کتاب ہے۔ امام طحاوی کے بعض سوانح نگاروں نے کے بقول یہ کتاب تقریباً 130 جلدوں میں ہے۔ اس کتاب کا اختصار حافظ ابو بکر الجصاص الرازی نے "مختصر اختلاف العلماء" کے نام سے کیا ہے۔ یہ اختصار دار الکتب العلمیہ بیروت سے 4 جلدوں میں شائع ہو چکا ہے۔

وفات:

آپ کی وفات 321ھ بروز جمعرات مصر میں ہوئی۔ انا للہ وانا الیہ راجعون

بِسۡمِ اللّٰهِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِيۡمِ

[☆]: هٰذَا مَا رَوَاهُ الۡإِمَامُ أَبُوۡ جَعۡفَرِ نِ الطَّحَاوِيُّ -رَحِمَهُ اللهُ- فِيۡ ذِكۡرِ بَيَانِ اعۡتِقَادِ أَهۡلِ السُّنَّةِ وَالۡجَمَاعَةِ عَلٰى مَذۡهَبِ فُقَهَاءِ الۡمِلَّةِ: أَبِيۡ حَنِيۡفَةَ النُّعۡمَانِ بۡنِ ثَابِتٍ الۡكُوۡفِيِّ وَأَبِيۡ يُوۡسُفَ يَعۡقُوۡبَ بۡنِ إِبۡرَاهِيۡمَ الۡأَنۡصَارِيِّ وَأَبِيۡ عَبۡدِ اللهِ مُحَمَّدِ بۡنِ الۡحَسَنِ الشَّيۡبَانِيِّ رِضۡوَانُ اللهِ عَلَيۡهِمۡ أَجۡمَعِيۡنَ وَمَا يَعۡتَقِدُوۡنَ مِنۡ أُصُوۡلِ الدِّيۡنِ وَيَدِيۡنُوۡنَ بِهٖ لِرَبِّ الۡعٰلَمِيۡنَ.

قَالَ الۡإِمَامُ وَبِهٖ قَالَ الۡإِمَامَانِ الۡمَذۡكُوۡرَانِ: نَقُوۡلُ فِيۡ تَوۡحِيۡدِ اللهِ مُعۡتَقِدِيۡنَ بِتَوۡفِيۡقِ اللهِ:

ترجمہ: یہ اهل السنۃ والجماعۃ کے عقائد کا بیان ہے جسے امام ابو جعفر الطحاوی رحمۃ اللہ علیہ نے فقہائے ملت امام ابو حنیفہ نعمان بن ثابت الکوفی، امام ابو یوسف یعقوب بن ابراہیم الانصاری اور امام ابو عبد اللہ محمد بن الحسن الشیبانی رضوان اللہ علیہم اجمعین کے طریق پر ذکر کیا ہے، اور یہی وہ باتیں ہیں جن کا یہ فقہائے ملت دین کے اصول کے طور پر اعتقاد رکھتے تھے اور رب العالمین کے بارے میں یہی ان کا دین (وایمان) تھا۔

امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ اور حضرات صاحبین (امام ابو یوسف اور امام محمد بن الحسن الشیبانی رحمہا اللہ) فرماتے ہیں: ہم توحید باری تعالیٰ کے بارے میں اللہ تعالیٰ کی توفیق کے ساتھ اپنا عقیدہ بیان کرتے ہوئے کہتے ہیں:

[☆]: جن عقائد کا بیان آگے آرہا ہے وہ اهل السنۃ والجماعۃ کے عقائد ہیں جو فقہاء ملت یعنی ائمہ ثلاثہ سے منقول ہیں اور انہی کے طریق پر پیش کیے جارہے ہیں۔

توحید وصفات باری تعالیٰ

[1]: إِنَّ اللهَ تَعَالىٰ وَاحِدٌ لَا شَرِيْكَ لَهٗ.

ترجمہ: بے شک اللہ تعالیٰ ایک ہے، اس کا کوئی شریک نہیں۔

---

[1]: توحید کی بنیادی طور پر تین اقسام ہیں:

۱: توحید فی الربوبیت ۲: توحید فی الالوہیت ۳: توحید فی الصفات

توحید فی الربوبیت:

اللہ تعالیٰ کی ذات ہی سارے جہان کو پالنے والی ہے، اللہ تعالیٰ کے علاوہ کوئی پالنے والا نہیں ہے۔ توحید کی اس قسم میں اللہ تعالیٰ کو خالق، مالک، رازق، مدبر کائنات وغیرہ ماننا بھی شامل ہے۔

☼ ﴿اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ﴾. (الفاتحۃ:2)

ترجمہ: تمام تعریفیں اللہ کے لیے ہیں جو تمام جہانوں کا پالنے والا ہے۔

☼ ﴿اَللّٰهُ خَالِقُ كُلِّ شَيْءٍ﴾. (الزمر:62)

ترجمہ: اللہ ہر چیز کا پیدا کرنے والا ہے۔

☼ ﴿وَمَا مِنْ دَابَّةٍ فِي الْاَرْضِ اِلَّا عَلَى اللّٰهِ رِزْقُهَا﴾. (ھود:6)

ترجمہ: زمین پر چلنے پھرنے والے جتنے جاندار ہیں ان سب کا رزق اللہ نے اپنے ذمہ لے رکھا ہے۔

توحید فی الالوہیت:

اللہ تعالیٰ کی ذات ہی لائق عبادت ہے، اللہ تعالیٰ کے علاوہ کسی اور کی عبادت کرنا جائز نہیں ہے۔

....

☼ ﴿وَاعْبُدُوا اللّٰهَ وَلَا تُشْرِكُوْا بِهٖ شَيْـًٔا﴾. (النساء:36)

ترجمہ: اللہ کی عبادت کرو اور اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھہراؤ!

☼ ﴿وَقَضٰى رَبُّكَ اَلَّا تَعْبُدُوْٓا اِلَّآ اِيَّاهُ﴾. (الاسراء:23)

ترجمہ: آپ کے پروردگار نے یہ حکم دیا ہے کہ اس کے سوا کسی اور کی عبادت نہ کرنا۔

توحید فی الصفات:

اللہ تعالیٰ اپنی صفات میں واحد اور اکیلا ہے کوئی دوسرا اللہ تعالیٰ کی صفات میں شریک نہیں جیسے عالم الغیب، مختار کل، قادر مطلق، مشکل کشا، حاجت روا وغیرہ اللہ تعالیٰ کی صفات ہیں، ان صفات کو کسی اور کے لیے ثابت کرنا جائز نہیں ہے۔

☼ ﴿اَللّٰهُ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ الْحَيُّ الْقَيُّوْمُ لَا تَاْخُذُهٗ سِنَةٌ وَّلَا نَوْمٌ﴾. (البقرۃ:255)

ترجمہ: اللہ وہ ہے جس کے علاوہ کوئی معبود نہیں، وہ زندہ ہے، نظام عالم کو سنبھالنے والا ہے، جسے نہ اونگھ آتی ہے نہ نیند۔

☼ ﴿قُلْ لَّا يَعْلَمُ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ الْغَيْبَ اِلَّا اللّٰهُ﴾. (النمل:65)

ترجمہ: کہہ دیجیے کہ آسمانوں اور زمین میں اللہ کے علاوہ کوئی غیب نہیں جانتا۔

نوٹ: قرآن و سنت میں بعض صفات اللہ تعالیٰ اور مخلوق دونوں کے لیے استعمال ہوئی ہیں مثلاً سمیع، بصیر، متکلم وغیرہ۔ مخلوق کے لیے ان الفاظ کا معنی یہ ہے کہ مخلوق سننے میں کان کی، دیکھنے میں آنکھ کی، بولنے میں زبان کی محتاج ہے لیکن اللہ تعالیٰ کا معاملہ یوں نہیں ہے، اللہ تعالیٰ سمیع یعنی سنتے ہیں لیکن کان کے محتاج نہیں، بصیر یعنی دیکھتے ہیں لیکن آنکھ کے محتاج نہیں، متکلم یعنی بولتے ہیں لیکن زبان کے محتاج نہیں۔ تو ان صفات کا جو معنی مخلوق کے لیے ہے وہ معنی اللہ تعالیٰ کے لیے ہرگز مراد نہیں۔

[2]: وَلَا شَیْءَ مِثْلُهُ.

ترجمہ: کوئی چیز اس کی مثل نہیں۔

---

[2]: اس مقام پر دو اشکال پیدا ہوتے ہیں:

اول... قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ کی مثال بیان کرنے سے منع کیا گیا ہے، ارشاد ہے:

﴿فَلَا تَضْرِبُوْا لِلّٰهِ الْاَمْثَالَ﴾. (النحل:74)

کہ اللہ تعالیٰ کے لیے مثالیں بیان نہ کرو لیکن دوسری جانب اللہ تعالیٰ نے خود اپنی مثال یوں بیان کی ہے:

﴿اَللّٰهُ نُوْرُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ مَثَلُ نُوْرِهٖ كَمِشْكٰوةٍ فِيْهَا مِصْبَاحٌ﴾

(النور:35)

ترجمہ: اللہ آسمانوں اور زمین کا نور ہے، اس کے نور کی مثال ایسے ہے جیسے ایک طاق ہو جس میں چراغ رکھا ہو۔

تو بظاہر دونوں آیتوں میں تعارض ہے۔

دوم... اھل السنۃ والجماعۃ کا عقیدہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی مثل کوئی چیز نہیں جبکہ اللہ تعالیٰ کے نور کی مثل کا بیان تو قرآن مجید میں موجود ہے۔ پتا چلا کہ مثل تو موجود ہے۔

حل اشکال:

اول... قرآن مجید میں جو فرمایا گیا کہ ﴿فَلَا تَضْرِبُوْا لِلّٰهِ الْاَمْثَالَ﴾ تو اس کا معنی یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے لیے گھٹیا قسم کی مثالیں بیان نہ کیا کرو۔ جیسے مشرکین اپنے خود ساختہ معبودوں کی عبادت کرنے کے لیے دلیل یہ بیان کرتے تھے کہ ﴿مَا نَعْبُدُهُمْ اِلَّا لِيُقَرِّبُوْنَآ اِلَى اللّٰهِ زُلْفٰى﴾ [الزمر:3] کہ جس طرح کسی بڑے تک پہنچنے کے لیے کسی چھوٹے کا واسطہ ضروری ہے اسی طرح اللہ تک پہنچنے کے لیے ہم ان معبودوں کا واسطہ

....

لیتے ہیں۔ تو ایسی مثالیں بیان کرنے والوں کو فرمایا گیا کہ یہ گھٹیا مثالیں بیان نہ کرو۔

دوم... یہاں دو باتیں الگ الگ ہیں؛ ایک ہے اللہ تعالیٰ کی صفات جیسی کسی اور کی صفات ہونا اور دوسرا ہے اللہ تعالیٰ کی صفات کو سمجھانے کے لیے مثال دینا۔ اھل السنۃ والجماعۃ کا جو عقیدہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی مثل کوئی چیز نہیں تو اس کا معنی یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ مخلوقات کی مشابہات سے پاک ہے، کوئی چیز اللہ تعالیٰ کی ذات اور صفات جیسی نہیں ہے، اور جو قرآن میں مثال بیان ہوئی ہے تو اس سے مراد یہ نہیں کہ اللہ تعالیٰ کا نور حقیقۃً طاق میں رکھے ایک چراغ کی طرح ہے بلکہ محض سمجھانے کے لیے یہ مثال دی گئی ہے۔ تو اللہ تعالیٰ کی صفات جیسی صفت ہونا اور چیز ہے اور اللہ تعالیٰ کی صفات کو سمجھانے کے لیے مثال دینا اور چیز ہے۔ دونوں میں کوئی تعارض نہیں۔

فائدہ: حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانوی (ت 1362ھ) کا یہ فرمان اس بات کو سمجھنے کے لیے بہت مفید ہے کہ اللہ تعالیٰ کی مثل کوئی نہیں لیکن سمجھانے کے لیے مثال دی جاسکتی ہے۔ آپ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

”مثلاً جو دو کاغذ گوند سے چپکا دیے گئے ہیں وہ ایک دوسرے سے اتنے قریب نہیں بلکہ گوند جو کہ واسطہ ہے وہ زیادہ قریب ہے۔ اللہ تعالیٰ مثال سے پاک ہیں لیکن آخر میں تمھیں کس طرح سمجھاؤں، پس جب اللہ تعالیٰ تمہارے اور تمہاری ہستی کے درمیان واسطہ ہیں تو وہ ہستی سے زیادہ قریب ہوئے۔ اور یہی حاصل تھا تمہارے ساتھ بنسبت تمہاری جان ہونے کا۔ پس تم سے اتنے قریب ہوئے جتنے کہ خود تم بھی اپنے قریب نہیں جیسا کہ گوند کی مثال میں سمجھایا گیا۔ یہ بہت موٹی بات ہے کہ کوئی قیل و قال کی گنجائش نہیں۔“ (خطباتِ حکیم الامت: ج17 ص431 عنوان: اقربیت کا مفہوم)

[3]: وَلَا شَيْءَ يُعْجِزُهُ.

ترجمہ: کوئی چیز اسے عاجز کرنے والی نہیں۔

[4]: وَلَا إِلٰهَ غَيْرُهُ.

ترجمہ: اس کے علاوہ کوئی معبود نہیں۔

---

[3]: یعنی کوئی چیز ایسی نہیں جو اللہ کے ارادے میں رکاوٹ بن جائے کہ اللہ تعالیٰ کوئی کام کرنا چاہے اور کوئی چیز حائل ہو جائے اور وہ کام نہ کرنے دے۔ اسی طرح کوئی چیز ایسی بھی نہیں کہ اللہ تعالیٰ چاہیں کہ یہ کام نہ ہو لیکن وہ چیز اس کام کو کر دے۔ اللہ تعالیٰ قادر مطلق ذات ہے، کوئی چیز اس کی قدرت میں حائل نہیں ہو سکتی۔

☼ ﴿وَاللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ﴾. (آل عمران:29)

ترجمہ: اللہ تعالیٰ ہر چیز پر قادر ہے۔

☼ ﴿وَكَانَ اللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ مُّقْتَدِرًا﴾. (الکہف:45)

ترجمہ: اور اللہ تعالیٰ ہر چیز پر کامل قدرت رکھتا ہے۔

☼ ﴿وَمَا كَانَ اللّٰهُ لِيُعْجِزَهٗ مِنْ شَيْءٍ فِي السَّمٰوٰتِ وَلَا فِي الْأَرْضِ اِنَّهٗ كَانَ عَلِيْمًا قَدِيْرًا﴾. (الفاطر:44)

ترجمہ: اور اللہ تعالیٰ ایسا نہیں ہے کہ آسمانوں یا زمین کی کوئی چیز اسے عاجز کر سکے، بیشک وہ ہر چیز کو جاننے والا ہے اور (ہر چیز پر) قادر ہے۔

[4]: اللہ تعالیٰ کے علاوہ کوئی اور "إلٰہ" بننے کے لائق نہیں کیونکہ کسی میں ایسی طاقت اور قدرت نہیں جو اللہ تعالیٰ کے پاس ہے۔ حقیقۃً "إلٰہ" ہونا الگ ہے اور لوگوں کا اپنے اپنے "إلٰہ" گھڑ لینا الگ ہے۔

[5]: قَدِیۡمٌ بِلَا ابۡتِدَاءٍ دَائِمٌ بِلَا انۡتِهَاءٍ.

ترجمہ: وہ قدیم ہے بغیر ابتداء کے اور ہمیشہ رہے گا بغیر انتہاء کے۔

☼ ﴿شَهِدَ اللهُ اَنَّهٗ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ وَالۡمَلٰٓئِكَةُ وَاُولُوا الۡعِلۡمِ قَآئِمًۢا بِالۡقِسۡطِ﴾

(آل عمران:18)

ترجمہ: اللہ تعالیٰ اس بات کی گواہی دیتے ہیں اور فرشتے اور اہل علم بھی کہ اس (اللہ) کے سوا کوئی معبود نہیں جس نے انصاف کے ساتھ نظام عالم کو سنبھالا ہوا ہے۔

☼ ﴿اِنَّ اِلٰهَكُمۡ لَوَاحِدٌ﴾

(الصافات:4)

ترجمہ: بے شک تمہارا معبود ایک ہی ہے۔

[5]: اول اور آخر کی دو قسمیں ہیں:

ا: اول و آخر حقیقی: اول حقیقی اسے کہتے ہیں کہ جس سے پہلے کوئی اور نہ آسکتا ہو اور آخر حقیقی اسے کہتے ہیں جس کے بعد کوئی اور نہ آسکتا ہو۔

۲: اول و آخر اضافی: اول اضافی اسے کہتے ہیں کہ جس سے پہلے کوئی اور ہو سکتا ہو اور آخر اضافی وہ ہوتا ہے کہ جس کے بعد کوئی اور آسکتا ہو۔

اللہ رب العزت اول حقیقی اور آخر حقیقی ہیں۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ جب کوئی نہ تھا تو اللہ تعالیٰ تھے اور جب کوئی نہیں ہوگا تو اللہ تعالیٰ ہوں گے۔

☼ ﴿هُوَ الۡاَوَّلُ وَالۡاٰخِرُ وَالظَّاهِرُ وَالۡبَاطِنُ وَهُوَ بِكُلِّ شَىۡءٍ عَلِيۡمٌ﴾

(الحدید:3)

ترجمہ: وہی اول بھی ہے اور آخر بھی ہے، ظاہر بھی ہے اور چھپا ہوا بھی ہے اور وہ ہر چیز کو جاننے والا ہے۔

[6]: لَا یَفْنٰی وَلَا یَبِیْدُ.

ترجمہ: نہ وہ فنا ہو گا اور نہ ختم ہو گا۔

☼ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس بات کو یوں ارشاد فرمایا:

اَللّٰھُمَّ أَنْتَ الْأَوَّلُ فَلَیْسَ قَبْلَکَ شَیْءٌ وَأَنْتَ الْآخِرُ فَلَیْسَ بَعْدَکَ شَیْءٌ. (صحیح مسلم: ج2ص348 کتاب الذکر والدعاء. باب مایقول عند النوم)

ترجمہ: اے اللہ! تو ایسا اول ہے کہ تجھ سے پہلے کوئی چیز نہیں تھی اور تو ایسا آخر ہے کہ تیرے بعد کوئی چیز نہیں ہو گی۔

[6]: "فنا" اور "بید" دونوں تقریباً ہم معنی لفظ ہیں البتہ تھوڑا سا فرق ہے کہ "فنا" کا معنی ہے کسی چیز کا خود بخود ختم ہو جانا اور "بید" کا معنی ہے کسی چیز کے ہلاک کرنے سے ہلاک ہو جانا۔ اللہ تعالیٰ ان دونوں فناؤں سے پاک ایک ازلی اور ابدی ذات ہے۔ ازلی یعنی ہمیشہ سے ہے اور ابدی یعنی ہمیشہ رہے گی۔

☼ ﴿کُلُّ مَنْ عَلَیْھَا فَانٍ وَّیَبْقٰی وَجْهُ رَبِّکَ ذُو الْجَلٰلِ وَالْاِکْرَامِ﴾ (الرحمٰن:26:27)

ترجمہ: اس زمین پر جو کوئی ہے وہ فنا ہونے والا ہے اور صرف تمہارے پروردگار کی جلال والی اور فضل و کرم والی ذات باقی رہے گی۔

☼ ﴿کُلُّ شَیْءٍ ھَالِکٌ اِلَّا وَجْھَهٗ لَهُ الْحُکْمُ وَاِلَیْهِ تُرْجَعُوْنَ﴾ (القصص:88)

ترجمہ: ہر چیز فنا ہونے والی ہے سوائے اس کی ذات کے، حکومت اسی کی ہے اور اسی کی طرف تمہیں لوٹایا جائے گا۔

سوال: آٹھ چیزیں؛ عرش، کرسی، جنت، جہنم، عجب الذنب (ریڑھ کی ہڈی)، ارواح، لوح اور قلم ازلی تو نہیں کہ ہمیشہ سے ہوں البتہ ابدی ہیں کہ ہمیشہ رہیں گی اور

[7]: وَلَا يَكُوْنُ إِلَّا مَا يُرِيْدُ.

ترجمہ: وہی کچھ ہوتا ہے جس کا اللہ تعالیٰ ارادہ فرماتے ہیں۔

فنا نہیں ہوں گی۔ تو ابدی ہونے کی صفت میں تو یہ آٹھ چیزیں بھی باری تعالیٰ کے ساتھ شریک ہیں۔

جواب: فنا کی دو قسمیں ہیں:

۱: فنائے امکانی... یعنی ایک چیز کا فنا ہو سکنا

۲: فنائے عملی... یعنی ایک چیز کا فنا ہو جانا

ان آٹھ چیزوں میں فناء عملی نہیں البتہ فناء امکانی ہے کہ اللہ تعالیٰ چاہیں تو فنا کر سکتے ہیں گو کہ فنا کریں گے نہیں، اور ذات باری تعالیٰ میں فنائے عملی ہے نہ فنائے امکانی ہے۔ اس لیے باری تعالیٰ کے اور ان آٹھ چیزوں کے ابدی ہونے میں فرق ہے، یہ چیزیں باری تعالیٰ کی صفتِ ابدیت میں شریک نہیں ہیں۔

[7]: اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿اِنَّمَآ اَمْرُهٗٓ اِذَآ اَرَادَ شَيْـًٔا اَنْ يَّقُوْلَ لَهٗ كُنْ فَيَكُوْنُ﴾. (یٰسین:82)

ترجمہ: اس کا معاملہ تو یہ ہے کہ جب وہ کسی چیز کا ارادہ کرلے تو صرف اتنا ہی کہتا ہے: ہو جا! بس وہ ہو جاتی ہے۔

اللہ تعالیٰ جب کسی چیز کا ارادہ فرماتے ہوئے لفظ ”کن“ ارشاد فرماتے ہیں تو اس میں اس چیز کے وقوع پذیر ہونے کی مدت بھی ملحوظ ہوتی ہے۔ مثلاً کسی عورت کو بچہ عطا فرمانے کا ارادہ فرماتے ہیں تو لفظ ”کن“ فرماتے ہیں جس کا معنی ہوتا ہے کہ بچہ مثلاً نو ماہ میں پیدا ہو جائے۔ کسی کو موت دینے کا ارادہ فرماتے ہیں تو لفظ ”کن“ کا معنی ہوتا ہے اتنے عرصہ بعد موت آجائے۔

[8]: لَا تَبْلُغُهُ الْأَوْهَامُ وَلَا تُدْرِكُهُ الْأَفْهَامُ.

ترجمہ: وہم اس کی حقیقت تک رسائی حاصل نہیں کر سکتے اور نہ ہی فہم اس کا احاطہ کر سکتی ہے۔

[9]: وَلَا يُشْبِهُ الْأَنَامَ

ترجمہ: وہ انسانوں کے مشابہ نہیں۔

[10]: حَيٌّ لَا يَمُوتُ، قَيُّومٌ لَا يَنَامُ

ترجمہ: وہ زندہ ہے اس پر موت نہیں آئے گی، وہ قیوم (نظامِ عالم تھامنے والا) ہے اس پر نیند طاری نہیں ہوتی۔

---

[8]: اوہام؛ وہم کی جمع ہے اور یہ فاسد فکر کو کہتے ہیں۔ افہام؛ فہم کی جمع ہے اور یہ صحیح فکر کا نام ہے۔ انسان اپنی فاسد فکر کے ذریعے اللہ تعالیٰ تک رسائی حاصل نہیں کر سکتا اور صحیح فکر کے ذریعے اللہ تعالیٰ کی ذات تک پہنچتا تو ہے لیکن ذات باری تعالیٰ کا احاطہ نہیں کر سکتا۔

[9]: انسان دیکھنے میں آنکھ کا، بولنے میں زبان کا، سننے میں کان کا، موجود ہونے میں جسم وغیرہ کا محتاج ہوتا ہے لیکن اللہ تعالیٰ کا معاملہ یوں نہیں ہے، اللہ تعالیٰ دیکھتے ہیں لیکن آنکھ کے محتاج نہیں، سنتے ہیں لیکن کان کے محتاج نہیں، موجود ہیں لیکن جسم اور اعضائے جسم کے محتاج نہیں۔ واضح رہے کہ قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ کی ذات کے لیے ید، وجہ، عین، ساق وغیرہ کلمات استعمال ہوئے ہیں تو ان سے مراد اعضاء نہیں بلکہ یہ اللہ تعالیٰ کی صفات ہیں جن کا معنی اللہ تعالیٰ کو معلوم ہے۔ مزید تفصیل بندہ کی مرتب کردہ فائل القواعد فی العقائد میں ملاحظہ فرمائیں۔

[10]: امام طحاوی رحمہ اللہ نے لفظ "حَيٌّ" کے ساتھ "لَا يَمُوتُ" اور لفظ "قَيُّومٌ"

[11]: خَالِقٌ بِلَا حَاجَةٍ رَازِقٌ بِلَا مُؤْنَةٍ

ترجمہ: اللہ تعالیٰ پیدا فرماتے ہیں بغیر کسی ضرورت کے اور رزق دیتے ہیں بغیر کسی مشقت کے۔

کے ساتھ ''لَا یَنَامُ'' فرمایا۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ زندہ کے لیے ''لَا یَمُوْتُ'' ہونا ضروری ہے اور قیوم کے لیے ''لَا یَمُوْتُ'' کے ساتھ ساتھ ''لَا یَنَامُ'' ہونا بھی ضروری ہے کیونکہ سونے والا اگرچہ زندہ ہوتا ہے لیکن اس کی کیفیت ایسی ہوتی ہے کہ وہ نہ تو خود کو سنبھال سکتا ہے نہ ہی دوسرے کو۔ تو ''قَیُّوْمٌ'' کے بعد ''لَا یَنَامُ'' فرما کر اشارہ کر دیا کہ ''قَیُّوْمٌ'' کے لیے ''لَا یَنَامُ'' ہونا بھی ضروری ہے۔

[11]: ''بغیر کسی ضرورت کے پیدا کرنے'' کا معنی یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ جب کسی چیز کو پیدا فرماتے ہیں تو اس میں اللہ تعالیٰ کی اپنی کوئی ضرورت اور حاجت نہیں ہوتی، البتہ اس چیز کی مخلوق کو ضرورت ہوتی ہے، اللہ تعالیٰ کو مخلوق کی ضرورت اس لیے نہیں کہ اللہ تعالیٰ صمد اور بے نیاز ذات ہے اور کسی چیز کا محتاج ہونا اس شان بے نیازی کے خلاف ہے۔ علامہ ابو البرکات عبد اللہ بن احمد بن محمود النسفی الحنفی (ت 710ھ) ''صمد'' کا معنی بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

لَا یَحْتَاجُ اِلٰی اَحَدٍ وَ یَحْتَاجُ اِلَیْهِ کُلُّ اَحَدٍ.

(تفسیر المدارک للامام النسفی: ج2 ص842 تحت قولہ تعالیٰ: اللہ الصمد)

ترجمہ: صمد وہ ذات ہے جو کسی کی محتاج نہ ہو اور سارے اس کے محتاج ہوں۔

''بغیر مشقت کے رزق دینے'' کا معنی یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کو رزق عطا فرمانے میں مشقت نہیں ہوتی البتہ مخلوق کو رزق حاصل کرنے میں مشقت اٹھانی پڑتی ہے۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

[12]: مُمِيتٌ بِلَا مَخَافَةٍ، بَاعِثٌ بِلَا مَشَقَّةٍ.

ترجمہ: بے خوف وخطر موت دینے والا ہے، بغیر کسی مشقت کے (قیامت کے دن) اٹھانے والا ہے۔

﴿لَقَدْ خَلَقْنَا الْإِنْسَانَ فِيْ كَبَدٍ﴾. (البلد:4)

ترجمہ: ہم نے انسان کو مشقت میں پیدا کیا ہے۔

کبد (مشقت) کو ظرف بنا کر اشارہ کیا کہ انسان ہر وقت مشقت میں ہے۔ تو یہاں پیدا کرنے میں ضرورت اور رزق دینے میں مشقت کی نفی اللہ تعالیٰ کی ذات سے ہے، مخلوق کو اشیاء کی ضرورت اور حصول رزق میں مشقت بہر حال ہوتی ہے۔

[12]: یعنی جب اللہ تعالیٰ کسی کو موت دیتے ہیں تو یہ خوف نہیں ہوتا کہ جس کو موت دے رہا ہوں وہ میرا نقصان کر سکتا ہے یا اس کے عزیز واقارب مجھ سے بدلہ لے سکتے ہیں بلکہ بغیر کسی خوف کے موت دیتا ہے، کیونکہ خوف ہونا عجز کی دلیل ہے اور اللہ تعالیٰ قادر مطلق اور عجز سے پاک ذات ہے۔

نیز اللہ تعالیٰ حشر کے دن جب اٹھائیں گے تو بغیر مشقت کے اٹھائیں گے کیونکہ اللہ تعالیٰ کی شان یہ ہے کہ:

﴿اِنَّمَآ اَمْرُهٗٓ اِذَآ اَرَادَ شَيْـًٔا اَنْ يَّقُوْلَ لَهٗ كُنْ فَيَكُوْنُ﴾ (یٰسین:82)

ترجمہ: اس کا معاملہ تو یہ ہے کہ جب وہ کسی چیز کا ارادہ کرتا ہے تو صرف اتنا کہتا ہے: ہو جا! بس وہ ہو جاتی ہے۔

اس لیے اللہ تعالیٰ کو کوئی مشقت نہیں ہو گی۔

امام طحاوی علیہ الرحمۃ نے "بَاعِثٌ بِلَا مَشَقَّةٍ" (بغیر مشقت کے اٹھانے والا) فرمایا، "مُحْيٍ بِلَا مَشَقَّةٍ" (بغیر مشقت کے زندہ کرنے والا) نہیں فرمایا۔ اس کی

[13]: مَا زَالَ بِصِفَاتِهٖ قَدِيْماً قَبْلَ خَلْقِهٖ لَمْ يَزْدَدْ بِكَوْنِهِمْ شَيْئًا لَمْ يَكُنْ قَبْلَهُمْ مِنْ صِفَاتِهٖ وَ كَمَا كَانَ بِصِفَاتِهٖ أَزَلِيًّا كَذٰلِكَ لَا يَزَالُ عَلَيْهَا أَبَدِيًّا

ترجمہ: مخلوق کو پیدا کرنے سے پہلے ہی وہ ہمیشہ سے اپنی تمام تر صفات کے ساتھ قدیم ذات ہے، مخلوق کو پیدا کرنے کے بعد اس کی صفات میں کسی ایسی صفت کا اضافہ نہیں ہوا جو مخلوق کو پیدا کرنے سے پہلے اس کی ذات میں نہ تھی اور جس طرح وہ اپنی صفات کے ساتھ ازلی ہے (یعنی ہمیشہ سے متصف ہے) اسی طرح اپنی ان صفات کے ساتھ ابدی بھی ہے (یعنی ہمیشہ متصف رہے گا)۔

وجہ یہ ہے کہ جب موت آتی ہے تو اس کے بعد قبر میں حیات مل جاتی ہے، پھر حشر کو دوبارہ حیات نہیں ملتی بلکہ اس وقت بعث ہو گی۔ اس لیے قیامت کے دن اٹھنے کا مطلب یہ ہے کہ قبر میں زندہ تھے مگر وہ حیات ظاہری نہ تھی اور اب اسی زندگی کے ظہور کے ساتھ میدان محشر میں جمع ہو گئے ہیں۔ یہ بات بھی واضح رہے کہ قبر کی حیات نظر نہ آنے والی مخفی حیات ہوتی ہے، نہ آنکھ سے نظر آتی ہے اور نہ ہاتھ لگانے سے محسوس ہوتی ہے اس لیے بعض مرتبہ اس بعث کو لفظ "احیاء" سے بھی تعبیر کر دیتے ہیں اور اس کا معنی یہ ہوتا ہے کہ قبر میں حیات مخفی تھی اور نظر نہیں آ رہی تھی لیکن اب بعث کے بعد حیات ظاہر اً ہے اور نظر آ رہی ہے۔ اس لیے لفظ "احیاء" سے قبر کی حیات کی نفی ہر گز نہیں ہوتی۔

[13]: اللہ تعالیٰ کی ذات کی طرح اللہ کی صفات بھی ازلی اور ابدی ہیں۔ جس طرح اللہ تعالیٰ کی ذات مخلوقات کی پیدائش سے پہلے موجود تھی اسی طرح اللہ کی صفات بھی مخلوق کی پیدائش سے پہلے موجود تھیں۔ مخلوق کی پیدائش کی وجہ سے اللہ کی کسی صفت میں اضافہ نہیں ہوا اور نہ لازم آئے گا کہ اللہ تعالیٰ اپنی کسی صفت کے ساتھ متصف

[14]: لَيۡسَ مُنۡذُ خَلَقَ الۡخَلۡقَ اسۡتَفَادَ اسۡمَ الۡخَالِقِ وَلَا بِإِحۡدَاثِهِ الۡبَرِيَّةَ اسۡتَفَادَ اسۡمَ الۡبَارِئِ.

ترجمہ: ایسا نہیں کہ مخلوقات کو پیدا کرنے کے بعد اس کا نام "خالق" ہوا ہو اور ایسا بھی نہیں کہ مخلوقات کو وجود دینے کے بعد اس کا نام "باری" ہوا ہو۔

ہونے میں مخلوق کی پیدائش کے محتاج ہیں کہ مخلوق پیدا ہوئی تب اللہ تعالیٰ کی فلاں صفت معرض وجود میں آئی، اور یہ بات یقینی ہے کہ اللہ تعالیٰ محتاجی سے پاک ہے۔

اللہ تعالیٰ کی صفات ازلی اور ابدی ہیں البتہ صفات کے متعلَّقات حادث ہیں مثلاً اللہ تعالیٰ کی صفت خالقیت قدیم ہے البتہ اس کا متعلَّق یعنی مخلوق حادث ہے، صفت رازقیت قدیم ہے البتہ مرزوق حادث ہے۔

[14]: اللہ تعالیٰ نے جب مخلوق کو پیدا نہیں کیا تھا تب بھی خالق اور باری کی صفت کے ساتھ متصف تھے۔ ایسا نہیں کہ مخلوق کو پیدا کرنے اور اسے وجود میں لانے کے بعد اس کا نام خالق اور باری ہوا ہے۔ اس لیے دو باتیں اچھی طرح سمجھ لینی چاہیں:

ا: ایک ذات کا کسی صفت کے ساتھ متصف ہونا

۲: اس صفت کا اظہار ہونا

اللہ تعالیٰ اپنی صفات کے ساتھ متصف تو ہمیشہ سے ہیں لیکن اللہ تعالیٰ کی کسی صفت کا اظہار تب ہوتا ہے جب کسی چیز کو پیدا فرماتے ہیں۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ صفتِ خالقیت کے ساتھ متصف تو ہمیشہ سے ہیں لیکن جب مخلوق کو پیدا فرمایا تو صفت خالقیت کا ظہور ہوا۔ اسی طرح صفت باری کے ساتھ متصف تو ہمیشہ سے ہیں لیکن جب اشیاء کو وجود بخشا تو اس صفت کا ظہور ہوا۔ اسی طرح دیگر صفات کا حال ہے کہ ان کے ساتھ متصف تو پہلے سے ہیں لیکن ان صفات کا ظہور چیزوں کو بنانے کے ساتھ ہوتا ہے۔

[15]: لَهُ مَعْنَى الرُّبُوْبِيَّةِ وَلَا مَرْبُوْبَ وَمَعْنَى الْخَالِقِ وَلَا مَخْلُوْقَ.

ترجمہ: (بلکہ) اللہ تعالیٰ کی صفتِ "ربوبیت" (یعنی پالنے والی صفت) اس وقت بھی تھی جب کوئی پلنے والا نہ تھا اور صفتِ "خالقیت" (یعنی پیدا کرنے والی صفت) اس وقت بھی تھی جب کوئی مخلوق نہیں تھی۔

[16]: وَ كَمَا أَنَّهُ مُحْيِي الْمَوْتٰى بَعْدَمَا أَحْيَى اسْتَحَقَّ هٰذَا الْاِسْمَ قَبْلَ إِحْيَائِهِمْ كَذٰلِكَ اسْتَحَقَّ اسْمَ الْخَالِقِ قَبْلَ إِنْشَائِهِمْ.

ترجمہ: جس طرح مُردوں کو زندہ کرنے کے بعد اس کا نام "محیِ الموتیٰ" (مردوں کو زندہ کرنے والی ذات) ہے مُردوں کو زندہ کرنے سے قبل بھی اسی کا یہی نام تھا، اسی طرح مخلوق کو پیدا کرنے سے پہلے بھی اس کا نام "خالق" تھا۔

---

[15]: اللہ تعالیٰ کی صفتِ ربوبیت اس وقت بھی تھی جب کوئی پلنے والا اور تربیت پانے والا نہ تھا اور صفت خالقیت اس وقت بھی تھی جب کوئی مخلوق نہ تھی البتہ ان صفات کا اظہار مخلوق کی پیدائش سے ہوا ہے۔

[16]: امام طحاوی رحمۃ اللہ علیہ اس بات کو سمجھانے کے لیے مثال بیان فرمارہے ہیں کہ اللہ تعالیٰ مخلوق کو پیدا کرنے سے پہلے "خالقیت" کی صفت کے ساتھ متصف تھے۔ چنانچہ فرمایا کہ جس طرح اللہ تعالیٰ کو "محی الموتی" کہتے ہیں حالانکہ مردوں کو زندہ تو قیامت کے دن کریں گے اس کے باوجود "محی الموتی" اب بھی ہیں، بالکل اسی طرح جب مخلوق پیدا نہیں ہوئی تھی اللہ تعالیٰ تب بھی خالق تھے۔ جس طرح مردوں کو پیدا کرنے سے پہلے "محی الموتی" ہیں اسی طرح مخلوق کو پیدا کرنے سے پہلے بھی خالق تھے۔

 ﴿اِنَّ ذٰلِكَ لَمُحْيِ الْمَوْتٰى وَهُوَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ﴾. (الروم:50)

[17]: ذٰلِكَ بِأَنَّهٗ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ وَكُلُّ شَيْءٍ إِلَيْهِ فَقِيْرٌ وَكُلُّ أَمْرٍ عَلَيْهِ يَسِيْرٌ لَا يَحْتَاجُ إِلٰى شَيْءٍ ﴿لَيْسَ كَمِثْلِهٖ شَيْءٌ وَّهُوَ السَّمِيْعُ الْبَصِيْرُ﴾

ترجمہ: اس کی وجہ یہ ہے کہ وہ ہر چیز پر قادر ہے، ہر چیز اس کی محتاج ہے اور ہر کام اس کے لیے آسان ہے، وہ کسی چیز کا بھی محتاج نہیں (کیونکہ خود اسی کا فرمان ہے کہ) کوئی چیز اس کی مثل نہیں اور وہی ہے جو ہر بات سنتا ہے، سب کچھ دیکھتا ہے۔

[18]: خَلَقَ الْخَلْقَ بِعِلْمِهٖ

ترجمہ: اس نے مخلوقات کو اپنے علم کے مطابق پیدا کیا۔

ترجمہ: بے شک وہ مردوں کو زندہ کرنے والا ہے اور ہر چیز پر قادر ہے۔

[17]: امام طحاوی علیہ الرحمۃ یہاں سے مذکورہ عقائد کی دلیل بیان فرمارہے ہیں کہ اللہ تعالیٰ اپنی صفات کے ساتھ ہمیشہ سے متصف ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ ہر چیز پر قادر ہے اور تمام امور اس کے لیے آسان ہیں۔ قادر ذات اپنی صفات کے ساتھ متصف ہونے کے لیے مخلوق کی پیدائش کی محتاج نہیں ہوتی بلکہ قادر مطلق ہونے کا تقاضا یہ ہے کہ مخلوق کی احتیاجی کے بغیر وہ اپنی صفات سے متصف رہے۔ ایک دلیل یہ بھی ہے کہ اللہ تعالیٰ مخلوق کی مشابہت سے پاک ہے۔ مخلوق اپنی ذات اور صفات میں غیر کی محتاج ہوتی ہے، اللہ تعالیٰ مخلوق کے مشابہ نہیں اس لیے اپنی ذات اور صفات میں غیر کے وجود کا محتاج نہیں۔ ثابت ہوا کہ اللہ تعالیٰ کی صفات مخلوق کے وجود اور پیدائش سے پہلے ثابت تھیں۔

[18]: یعنی اللہ تعالیٰ کا جو علم محیط ہے کہ کس کو پیدا کرنا ہے، کب پیدا کرنا ہے، کہاں پیدا کرنا ہے اور کتنے وقت کے لیے پیدا کرنا ہے؟ اللہ تعالیٰ نے اس علم محیط کے مطابق مخلوق کو پیدا فرمایا ہے۔ مخلوق کا ایک ذرہ بھی اللہ تعالیٰ کے علم سے باہر نہیں۔

[19]: وَقَدَّرَ لَهُمْ أَقْدَارًا

ترجمہ: اور ان مخلوقات کے لیے کچھ چیزیں مقرر فرمائیں۔

[20]: وَضَرَبَ لَهُمْ آجَالًا

ترجمہ: اور ہر مخلوق کے لیے اس کی مدت مقرر فرمائی۔

---

[19]: انسان کو پیدا فرمایا تو اس کی جسمانی ساخت سر، دھڑ، ہاتھ، پاؤں وغیرہ، اسی طرح رزق، عزت، ذلت، بلندی، پستی جیسی چیزوں کو مقرر فرمایا۔ نیز مخلوقات کو جن چیزوں کی ضرورت ہے وہ بھی اللہ تعالیٰ نے پیدا فرمائیں اور ان کی مقدار بھی اللہ تعالیٰ کو معلوم ہے کہ کتنی مقدار میں پیدا کرنی ہیں۔ اس لیے اس نے مخلوقات کے لیے اشیاء کو ناپ تول کر پیدا فرمایا۔

☼ ﴿إِنَّا كُلَّ شَيْءٍ خَلَقْنَٰهُ بِقَدَرٍ﴾. (القمر:49)

ترجمہ: ہم نے ہر چیز کو ناپ تول کر پیدا فرمایا ہے۔

[20]: اللہ تعالیٰ نے یہ مقرر فرما دیا ہے کہ کس مخلوق نے کس وقت وجود میں آنا ہے اور کس وقت ختم ہو جانا ہے؟! لہٰذا کوئی چیز بھی وقت مقرر سے آگے پیچھے نہیں ہو سکتی۔

☼ ﴿لِكُلِّ أُمَّةٍ أَجَلٌ إِذَا جَآءَ أَجَلُهُمْ فَلَا يَسْتَأْخِرُونَ سَاعَةً وَلَا يَسْتَقْدِمُونَ﴾. (یونس:49)

ترجمہ: ہر امت کا ایک مقرر وقت ہے۔ چنانچہ جب ان کا وقت آ جاتا ہے تو وہ اس سے ایک گھڑی نہ پیچھے ہو سکتے ہیں اور نہ ایک گھڑی آگے جا سکتے ہیں۔

[21]: وَلَمْ يَخْفَ عَلَيْهِ شَيْءٌ مِنْ أَفْعَالِهِمْ قَبْلَ أَنْ يَخْلُقَهُمْ وَعَلِمَ مَا هُمْ عَامِلُونَ قَبْلَ أَنْ يَخْلُقَهُمْ

ترجمہ: مخلوقات کو پیدا کرنے سے پہلے ان کے افعال اللہ تعالیٰ پر مخفی نہ تھے اور اللہ تعالیٰ کو مخلوقات کے پیدا کرنے سے پہلے اس بات کا علم تھا کہ یہ کیا کام کریں گے ؟!

[22]: وَأَمَرَهُمْ بِطَاعَتِهِ وَنَهَاهُمْ عَنْ مَعْصِيَتِهِ.

ترجمہ: اللہ تعالیٰ نے مخلوقات کو اپنی اطاعت کا حکم دیا اور اپنی نافرمانی سے روکا۔

---

[21]: کائنات میں جو چیز وقوع پذیر ہو گی وہ پہلے سے اللہ تعالیٰ کے علم میں ہے، بندوں نے نیک کام کرنے ہیں یا برے کام کرنے ہیں یہ سب اللہ تعالیٰ کو معلوم ہے۔

[22]: دین کا خلاصہ دو چیزیں ہیں:

1: اوامر 2: نواہی

جن کاموں کے کرنے اور جن باتوں کے کہنے کا حکم دیا گیا ہے انہیں "اوامر" کہتے ہیں اور جن کاموں اور باتوں سے روکا گیا ہے انہیں "نواہی" کہتے ہیں۔ بالفاظ دیگر اوامر کو "خیر" اور نواہی کو "شر" بھی کہتے ہیں۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی صفات کا خلاصہ دو صفتیں ہیں؛ بشیر اور نذیر۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ موت کے بعد ابدی اور دائمی ٹھکانے دو ہیں، ایک جنت اور دوسرا جہنم۔ جنت؛ اہلِ خیر کا مقام ہے اور جہنم؛ اہلِ شر کا مقام ہے۔ تو پیغمبر بشیر ہیں یعنی فضائل سنا کر خیر اور مقام خیر جنت کی طرف بلاتے ہیں اور نذیر ہیں یعنی وعیدیں سنا کر شر اور مقام شر جہنم سے ڈراتے اور بچاتے ہیں۔

اس لیے اوامر پر عمل پیرا ہونا اور خیر کو لینا چاہیے اور نواہی سے بچنا اور شر سے اجتناب کرنا چاہیے۔

[23]: وَكُلُّ شَيْءٍ يَجْرِي بِتَقْدِيرِهِ وَمَشِيئَتِهِ وَمَشِيئَتُهُ تَنْفُذُ، لَا مَشِيئَةَ لِلْعِبَادِ إِلَّا مَا شَاءَ لَهُمْ فَمَا شَاءَ لَهُمْ كَانَ وَمَا لَمْ يَشَأْ لَمْ يَكُنْ.

ترجمہ: ہر کام اس کی تقدیر اور چاہت کے مطابق ہوتا ہے، جو اللہ چاہتے ہیں وہی ہو کر رہتا ہے، بندوں کی چاہت کے مطابق بھی وہی کام ہوتا ہے جو اللہ تعالیٰ ان کے لیے چاہے یعنی جو کام اللہ تعالیٰ بندوں کے لیے چاہتا ہے وہ ہو کر رہتا ہے اور جو کام اللہ نہیں چاہتا تو وہ نہیں ہو سکتا۔

---

[23]: کائنات میں جو کچھ ہو رہا ہے وہ اللہ تعالیٰ کی تقدیر اور مشیت کے مطابق ہو رہا ہے۔ اگر اللہ تعالیٰ کی مشیت شامل حال نہ ہو تو کچھ بھی نہیں ہو سکتا۔

☼ ﴿وَمَا تَشَآءُوْنَ اِلَّآ اَنْ يَّشَآءَ اللّٰهُ رَبُّ الْعٰلَمِيْنَ﴾.(التکویر:29)

ترجمہ: تم اس وقت تک کوئی کام نہیں کر سکتے جب تک اللہ کی چاہت شامل نہ ہو جو سارے جہانوں کا پالنے والا ہے۔

☼ ﴿وَلَوْ شَآءَ رَبُّكَ مَا فَعَلُوْهُ فَذَرْهُمْ وَمَا يَفْتَرُوْنَ﴾.(الانعام:112)

ترجمہ: اگر اللہ چاہتا تو وہ ایسا نہ کر سکتے، لہذا انہیں اپنی افتراء پردازیوں میں پڑا رہنے دو۔

سوال: جب بندوں کی مشیت اور چاہت اللہ تعالیٰ کی مشیت اور چاہت کے تابع ہے تو ذہن میں الجھن پیش آتی ہے کہ بندہ کی چاہت چونکہ اللہ کی چاہت کے تابع ہے اس لیے بندہ اس وقت تک گناہ نہیں کر سکتا جب تک اللہ نہ چاہے۔ تو گناہ کرنے میں بندہ تو مجبور ہوا، پھر اس کا مواخذہ کیوں ہو گا؟

جواب: اللہ تعالیٰ کی مشیت کا معنی یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے چاہا کہ میں بندوں کو نیکی اور برائی دونوں کا اختیار دوں، اب بندے کی مرضی کہ نیکی والا اختیار استعمال کر کے نیک کام کرے یا برائی والا اختیار استعمال کر کے گناہ کرے، اب بندہ نیکی یا برائی اپنے

[24]: يَهْدِيْ مَنْ يَشَآءُ وَيَعْصِمُ وَيُعَافِيْ مَنْ يَشَآءُ فَضْلًا وَيُضِلُّ مَنْ يَشَآءُ وَيَخْذُلُ وَيَبْتَلِيْ عَدْلًا.

ترجمہ: اللہ تعالیٰ جسے چاہے اسے اپنے فضل و کرم سے ہدایت دیتا ہے، اس کی حفاظت کرتا ہے اور اس کو عافیت عطا فرماتا ہے اور جسے چاہے اپنے قانونِ عدل سے گمراہ کرتا ہے، رسوا کرتا ہے اور آزمائش میں مبتلا کرتا ہے۔

اختیار سے کر رہا ہے تو مجبور محض نہ ہوا۔ اس لیے آخرت میں مواخذہ ہونا درست قرار پایا۔ نیز بندے نے جو گناہ کیا ہے تو اس کا اختیار اسے اللہ کی طرف سے ملا ہے، اگر اختیار نہ ملتا تو یہ گناہ ہی نہ کرتا۔ یہی معنی ہے کہ بندوں کی مشیت اللہ کی مشیت کے تابع ہے یعنی بندوں کو گناہ کرنے یا نیکی کرنے کا اختیار خدا تعالیٰ کی جانب سے ملتا ہے۔

فائدہ: مشیت اور رضا میں فرق ہے۔ اللہ تعالیٰ نیکی اور برائی دونوں کا اختیار دے تو یہ مشیت ہے لیکن اللہ خوش گناہ پر نہیں بلکہ نیکی پر ہوتے ہیں، یہ رضائے الٰہی ہے۔

☼ ﴿وَلَا يَرْضٰى لِعِبَادِهِ الْكُفْرَ﴾.(الزمر:7)

ترجمہ: اور وہ اپنے بندوں کے لیے کفر پسند نہیں کرتا۔

[24]: اللہ تعالیٰ جب کسی کو ہدایت عطا فرماتے ہیں یا کسی کو گناہوں سے بچاتے ہیں یا کسی کو مصیبت سے بچا کر عافیت عطا فرماتے ہیں تو اس کی وجہ یہ نہیں ہوتی یہ بندے کا حق تھا بلکہ یہ محض اللہ تعالیٰ کا کرم و فضل ہوتا ہے۔ اسی طرح جب کسی بندے کو گمراہ کرتے، رسوا کرتے یا آزمائش میں مبتلا فرماتے ہیں تو اس کی وجہ یہ نہیں ہوتی کہ اللہ تعالیٰ اس بندے کو گمراہ اور رسوا کرنے پر خوش ہوتے ہیں بلکہ ایسا اس لیے کرتے ہیں اس بندے نے اسباب گمراہی اور اسباب رسوائی اختیار کیے ہوتے ہیں، یہ اللہ تعالیٰ کا عدل اور قانون ہے۔

[25]: وَكُلُّهُمْ يَتَقَلَّبُونَ فِي مَشِيئَتِهِ بَيْنَ فَضْلِهِ وَعَدْلِهِ.

ترجمہ: ساری مخلوق اللہ تعالیٰ کی مشیت کے مطابق چل رہی ہے کبھی فضل و کرم کے ساتھ اور کبھی قانون عدل کے ساتھ۔

[26]: وَهُوَ مُتَعَالٍ عَنِ الْأَضْدَادِ وَالْأَنْدَادِ.

ترجمہ: اللہ تعالیٰ کا نہ کوئی مخالف (ومد مقابل) ہے اور نہ کوئی شریک ہے۔

[27]: لَا رَادَّ لِقَضَائِهِ وَلَا مُعَقِّبَ لِحُكْمِهِ وَلَا غَالِبَ لِأَمْرِهِ.

ترجمہ: کوئی اللہ تعالیٰ کے فیصلے کو مسترد نہیں کر سکتا اور نہ ہی اس کے فیصلے کو چھوڑ کر اپنا فیصلہ نافذ کر سکتا ہے اور اس کے فیصلے پر کوئی غالب آنے والا بھی نہیں (کہ فیصلے کو بدل سکے)

---

[25]: یعنی کبھی اللہ تعالیٰ قانون کے مطابق اور کبھی اپنی شان کریمی کے ساتھ فیصلے فرما دیتے ہیں لیکن یہ سارے فیصلے اللہ تعالیٰ کی مشیت کے تابع ہوتے ہیں۔

[26]: اللہ تعالیٰ کی مخالفت تو کئی لوگوں نے کی ہے لیکن یہ لوگ مخالف بننے کے قابل نہیں ہیں کیونکہ مخالف وہ ہوتا ہے جس کی مخالفت کا دوسرے فریق پر اثر بھی ہو اور اس کے پاس طاقت اور حیثیت بھی ہو۔ اللہ تعالیٰ کی مخالفت کرنے والوں کے پاس نہ طاقت ہے نہ حیثیت، اس لیے وہ لاشئ کے درجے میں ہیں۔

☼ ﴿وَلَمْ يَكُنْ لَّهٗ كُفُوًا اَحَدٌ﴾.(الاخلاص:4)

ترجمہ: اور اس کا کوئی ہمسر نہیں۔

[27]: اللہ تعالیٰ کی ذات قادر مطلق ہے اور تمام مخلوقات پر غالب ہے، اس لیے کوئی مخلوق اللہ تعالیٰ کے فیصلوں پر اثر انداز نہیں ہو سکتی۔

☼ ﴿وَاللّٰهُ يَحْكُمُ لَا مُعَقِّبَ لِحُكْمِهٖ وَهُوَ سَرِيْعُ الْحِسَابِ﴾.(الرعد:41)

[28]: آمَنَّا بِذٰلِكَ كُلِّهٖ وَأَيْقَنَّا أَنَّ كُلًّا مِنْ عِنْدِهٖ.

ترجمہ: ہم مذکورہ تمام چیزوں پر ایمان لاتے ہیں اور یقین رکھتے ہیں کہ یہ سب کچھ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے۔

رسالت

[29]: وَإِنَّ مُحَمَّدًا صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَبْدُهُ الْمُصْطَفٰى وَنَبِيُّهُ الْمُجْتَبٰى وَرَسُوْلُهُ الْمُرْتَضٰى.

ترجمہ: اور ہمارا یہ بھی ایمان ہے کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم اللہ تعالیٰ کے منتخب بندے، چنے ہوئے نبی اور پسندیدہ رسول ہیں۔

ترجمہ: اللہ تعالیٰ ہی سب فیصلے کرتا ہے، کوئی اس کے فیصلوں کو توڑنے والا نہیں ہے اور وہ جلد حساب لینے والا ہے۔

☼ ﴿مَا يَفْتَحِ اللهُ لِلنَّاسِ مِنْ رَّحْمَةٍ فَلَا مُمْسِكَ لَهَا وَمَا يُمْسِكْ فَلَا مُرْسِلَ لَهٗ مِنْۢ بَعْدِهٖ﴾. (الفاطر:2)

ترجمہ: اللہ جس رحمت کا دروازہ بھی لوگوں کے لیے کھول دے تو اسے روکنے والا کوئی نہیں اور جسے وہ بند فرمادے تو اسے کھولنے والا کوئی نہیں۔

[28]: یعنی جو کچھ اس دنیا میں ہوا ہے، جو کچھ ہو رہا ہے اور جو کچھ آئندہ ہو گا یہ سب کچھ اللہ تعالیٰ کی تقدیر کے مطابق ہے اور اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے۔

[29]: امام طحاوی رحمۃ اللہ علیہ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے تین لفظ استعمال کیے ہیں: عبد، نبی اور رسول۔ عبد کا معنی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم بشر اور انسان ہیں، نبی کا معنی یہ ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر وحی آئی ہے اور چونکہ

....

نئی شریعت بھی آئی ہے اس لیے رسول بھی ہیں۔ تو ترتیب کے ساتھ ان تین اوصاف کو ذکر کیا ہے۔

چند فوائد:

امام طحاوی رحمۃ اللہ علیہ نے یہاں لفظ "نبی" استعمال فرمایا ہے۔ اس لیے نبی کے متعلق چند فوائد پیش ہیں:

فائدہ نمبر 1: نبی کی تعریف

إِنْسَانٌ مَبْعُوْثٌ مِنَ اللهِ مَعْصُوْمٌ عَنِ الْخَطَأِ مَفْرُوْضُ الإتِّبَاعِ.

ترجمہ: نبی اس انسان کو کہتے ہیں جو اللہ تعالیٰ کی جانب سے بھیجا گیا ہو، خطا سے معصوم ہو اور اس کی پیروی کرنا فرض ہو۔

اس تعریف میں چند الفاظ سمجھ لینے چاہییں:

ا: انسان: جو محسوس اور ذو عقل ہو۔

ذو عقل کی دو قسمیں ہیں: کامل اور ناقص۔ ذو عقل کامل "مرد" اور ناقص "عورت" ہے۔ نبی کامل العقل ہوتا ہے، اس لیے عورت نبی نہیں بن سکتی۔ عورت ناقص العقل اور ناقص دین ہوتی ہے۔ حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، فرماتے ہیں:

خَرَجَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِيْ أَضْحٰى أَوْ فِطْرٍ إِلَى الْمُصَلّٰى فَمَرَّ عَلَى النِّسَآءِ فَقَالَ: "يَا مَعْشَرَ النِّسَاءِ! تَصَدَّقْنَ فَإِنِّيْ أُرِيْتُكُنَّ أَكْثَرَ أَهْلِ النَّارِ" فَقُلْنَ: وَبِمَ يَا رَسُوْلَ اللهِ؟ قَالَ: "تُكْثِرْنَ اللَّعْنَ وَتَكْفُرْنَ الْعَشِيْرَ، مَا رَأَيْتُ مِنْ نَاقِصَاتِ عَقْلٍ وَدِيْنٍ أَذْهَبَ لِلُبِّ الرَّجُلِ الْحَازِمِ مِنْ إِحْدَاكُنَّ". قُلْنَ: وَمَا

....

نُقْصَانُ دِيْنِنَا وَعَقْلِنَا يَا رَسُوْلَ اللهِ؟ قَالَ: "أَلَيْسَ شَهَادَةُ الْمَرْأَةِ مِثْلَ نِصْفِ شَهَادَةِ الرَّجُلِ؟" قُلْنَ: بَلٰى! قَالَ: "فَذٰلِكِ مِنْ نُقْصَانِ عَقْلِهَا، أَلَيْسَ إِذَا حَاضَتْ لَمْ تُصَلِّ وَلَمْ تَصُمْ ؟: قُلْنَ: بَلٰى! قَالَ: "فَذٰلِكِ مِنْ نُقْصَانِ دِينِهَا".

(صحیح البخاری: ج 1 ص 44 کتاب الحیض باب ترک الحائض الصوم)

ترجمہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عید الاضحیٰ یا عید الفطر کے لیے عید گاہ کی طرف تشریف لے گئے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم عورتوں کے پاس گزرے تو فرمانے لگے: اے عورتوں کی جماعت! تم صدقہ و خیرات کیا کرو، مجھے دکھایا گیا ہے کہ جہنم میں تمہاری تعداد زیادہ ہو گی۔ عورتیں کہنے لگیں: یا رسول اللہ! وہ کیوں؟ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اس کی وجہ یہ ہے کہ تم گالی گلوچ بہت زیادہ کرتی ہو اور خاوند کی نافرمانی کرتی ہو، میں نے دین اور عقل میں تم سے زیادہ ایسا ناقص کوئی نہیں دیکھا جو ایک اچھے بھلے شخص کی عقل کو خراب کر دے۔ عورتیں کہنے لگیں: یا رسول اللہ! ہمارے دین اور ہماری عقل میں نقص کیا ہے؟ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: کیا عورت کی گواہی مرد کی نصف گواہی کے برابر نہیں؟ کہنے لگیں: کیوں نہیں؟ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تو یہ اس کی عقل کا نقصان ہے اور جب کسی عورت کو ایام آ جائیں تو کیا وہ نماز اور روزہ نہیں چھوڑتی؟ عورتیں کہنے لگیں: کیوں نہیں؟ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: یہی اس عورت کے دین کا نقصان ہے۔

۲: مبعوث من اللہ

نبوت وھبی ہے نہ کہ کسبی، یہ سلیکشن سے ملتی ہے نہ کہ الیکشن سے۔ الیکشن کہتے ہیں جسے لوگ چنیں اور سلیکشن کہتے ہیں جسے حکومت چنے۔ ارشاد باری ہے:

....

﴿يُنَزِّلُ الْمَلٰٓئِكَةَ بِالرُّوْحِ مِنْ اَمْرِهٖ عَلٰى مَنْ يَّشَآءُ مِنْ عِبَادِهٖٓ﴾

(النحل:2)

ترجمہ: وہ اس وحی کو اپنے جس بندے پر چاہتا ہے اپنے حکم سے فرشتوں کے ذریعے نازل فرمادیتا ہے۔

۳: معصوم عن الخطا

تمام انبیاء علیہم السلام چھوٹے بڑے گناہوں سے محفوظ ہوتے ہیں۔

☼ ﴿لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِيْ رَسُوْلِ اللّٰهِ اُسْوَةٌ حَسَنَةٌ﴾ (الاحزاب:21)

ترجمہ: حقیقت یہ ہے کہ تمہارے لئے رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) کی ذات میں ایک بہترین نمونہ ہے۔

پیغمبر اسوۂ حسنہ اس وقت بن سکتے ہیں جب خود گناہوں سے پاک ہوں۔

☼ ﴿وَاِذَا تُتْلٰى عَلَيْهِمْ اٰيَاتُنَا بَيِّنٰتٍ قَالَ الَّذِيْنَ لَا يَرْجُوْنَ لِقَآءَنَا ائْتِ بِقُرْاٰنٍ غَيْرِ هٰذَآ اَوْ بَدِّلْهُ قُلْ مَا يَكُوْنُ لِيْٓ اَنْ اُبَدِّلَهٗ مِنْ تِلْقَآئِ نَفْسِيْ اِنْ اَتَّبِعُ اِلَّا مَا يُوْحٰٓى اِلَيَّ﴾

(یونس:15)

ترجمہ: جو لوگ ہماری ملاقات کی امید نہیں رکھتے جب ان کے سامنے ہماری واضح آیات پڑھی جاتی ہیں تو وہ کہتے ہیں کہ کوئی اور قرآن لے کر آؤ یا اس میں تبدیلی کرو۔ اے پیغمبر! ان لوگوں سے کہہ دو کہ مجھے یہ حق نہیں پہنچتا کہ میں اپنی طرف سے اس میں کوئی تبدیلی کروں، میں تو صرف اس وحی کی پیروی کرتا ہوں جو مجھ پر نازل کی جاتی ہے۔

پیغمبر حکم شرعی کو بدلنے کے لیے تیار نہیں تو حکم شرعی کی خلاف ورزی کیسے

....

کر سکتے ہیں؟!

۴: مفروض الاتباع

"اِتّباع" یہ "تَبِیْعَۃٌ" سے ہے اور "تَبِیْعَۃٌ" جانور کے اس بچے کو کہتے ہیں جو ماں کے پیچھے پیچھے چلتا ہے۔ وہ یہ دیکھتا ہے کہ ماں کدھر جاتی ہے، یہ نہیں دیکھتا کہ ماں کیوں جاتی ہے؟ نبوت کی اتباع بھی یوں کی جائے کہ ہر حکم کو من و عن تسلیم کر کے عمل کیا جائے، سمجھ میں آئے تب بھی مانیں اور سمجھ میں نہ آئے تب بھی مانیں۔

فائدہ نمبر2: نبی کی ذات بشر، صفت نور

نبی اپنی ذات کے اعتبار سے بشر اور انسان ہوتے ہیں اور اپنی صفت کے لحاظ سے نور ہوتے ہیں۔ جن آیات اور احادیث میں انبیاء علیہم السلام کو "بشر" فرمایا گیا وہاں مراد ذاتِ نبوت ہے اور جہاں "نور" فرمایا گیا وہاں مراد صفتِ نبوت ہے۔

1: ﴿اَکَانَ لِلنَّاسِ عَجَبًا اَنْ اَوْحَيْنَآ اِلٰی رَجُلٍ مِّنْهُمْ﴾.(یونس:2)

ترجمہ: کیا لوگوں کو یہ بات عجیب معلوم ہوتی ہے کہ ہم نے انہی میں سے ایک مرد کے پاس وحی بھیجی۔

2: ﴿وَمَآ اَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ اِلَّا رِجَالًا نُّوْحِیْٓ اِلَيْهِمْ مِّنْ اَهْلِ الْقُرٰی﴾.

(یوسف:109)

ترجمہ: آپ سے پہلے ہم نے جتنے پیغمبر بھیجے وہ مرد ہی تھے کہ جن کی طرف ہم وحی کرتے تھے (اور وہ) بستیوں کے رہنے والے تھے۔

3: حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

....

إِنَّمَآ أَنَا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ أَنْسٰى كَمَا تَنْسَوْنَ فَإِذَا نَسِيْتُ فَذَكِّرُوْنِيْ.

(صحیح البخاری: ج1 ص58 باب التوجہ نحو القبلۃ حیث کان)

ترجمہ: بے شک میں بشر ہوں' بھول جاتاہوں جیسے تم بھول جاتے ہو۔ پس مجھے یاددلاؤ جب میں بھول جاؤں۔

4: عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عَمْرٍو رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ: كُنْتُ أَكْتُبُ كُلَّ شَيْءٍ أَسْمَعُهُ مِنْ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أُرِيْدُ حِفْظَهُ فَنَهَتْنِيْ قُرَيْشٌ وَقَالُوْا أَتَكْتُبُ كُلَّ شَيْءٍ تَسْمَعُهُ وَرَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بَشَرٌ يَتَكَلَّمُ فِي الْغَضَبِ وَالرِّضَا فَأَمْسَكْتُ عَنِ الْكِتَابِ فَذَكَرْتُ ذٰلِكَ لِرَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَأَوْمَأَ بِإِصْبَعِهٖ إِلٰى فِيْهِ فَقَالَ: "اُكْتُبْ فَوَالَّذِيْ نَفْسِيْ بِيَدِهٖ مَا يَخْرُجُ مِنْهُ إِلَّا حَقٌّ".

(سنن ابی داؤد: ج2 ص514 کتاب العلم باب فی کتابۃ العلم)

ترجمہ: حضرت عبد اللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے جو بات سنتا تھا اس کو لکھ لیا کرتا تھا تاکہ اسے محفوظ کروں۔ قریش نے مجھے اس بات سے روکا اور کہنے لگے کہ آپ؛ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے سنی ہر بات لکھ لیتے ہیں، آپ صلی اللہ علیہ وسلم بھی تو انسان ہیں، خوشی اور غمی میں کلام کرتے ہیں۔ تو میں نے لکھنا چھوڑ دیا۔ میں نے یہ بات نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو بتائی تو آپ علیہ السلام نے اپنی انگلی کا اشارہ اپنے منہ کی طرف کرتے ہوئے فرمایا: تم لکھا کرو! قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضہ قدرت میں میری جان ہے اس منہ سے سوائے حق کے کچھ نہیں نکلتا۔

....

فائدہ نمبر 3:

نبی کے لیے خدائی اختیارات اور صفات خاصہ ثابت کرنا جائز نہیں جیسے علم غیب، حاضر ناظر، مختار کل وغیرہ۔ یہ صفات اللہ تعالیٰ کے ساتھ خاص ہیں۔

☼ ﴿وَعِنْدَهُ مَفَاتِحُ الْغَيْبِ لَا يَعْلَمُهَا إِلَّا هُوَ﴾.(الانعام:59)

ترجمہ: اور اسی کے پاس غیب کی چابیاں ہیں جنہیں اس کے سوا کوئی نہیں جانتا۔

☼ ﴿قُلْ لَا أَمْلِكُ لِنَفْسِي ضَرًّا وَلَا نَفْعًا إِلَّا مَا شَاءَ اللَّهُ﴾.(یونس:49)

ترجمہ: (اے پیغمبر!) آپ کہہ دیجیے میں تو خود اپنی ذات کو بھی نہ کوئی نقصان پہنچانے کا اختیار رکھتا ہوں نہ فائدہ پہنچانے کا، سب کچھ اللہ کی چاہت پر موقوف ہے۔

☼ ﴿قُلْ لَا يَعْلَمُ مَنْ فِي السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ الْغَيْبَ إِلَّا اللَّهُ﴾.

(سورۃ النمل:65)

ترجمہ: کہہ دیجیے کہ آسمانوں اور زمین میں اللہ کے علاوہ کوئی غیب نہیں جانتا۔

☼ عَنْ عَائِشَةَ رَضِيَ اللهُ عَنْهَا قَالَتْ ... مَنْ حَدَّثَكَ أَنَّهُ يَعْلَمُ الْغَيْبَ فَقَدْ كَذَبَ وَهُوَ يَقُولُ لَا يَعْلَمُ الْغَيْبَ إِلَّا اللَّهُ.

(صحیح البخاری: ج2ص1098 باب قول اللہ تعالیٰ عالم الغیب فلا یظہر علی غیبہ)

ترجمہ: حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ جو شخص یہ کہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم غیب جانتے تھے تو وہ شخص جھوٹا ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے تو فرمایا ہے کہ اللہ کے علاوہ غیب کوئی نہیں جانتا۔

فائدہ: "عَبْدُهُ الْمُصْطَفٰی" آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی شان عبدیت بہت نمایاں ہے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے اوصاف میں سے ایک اعلیٰ وصف ہے۔

[30]: وَإِنَّهُ خَاتَمُ الْأَنْبِيَآءِ وَإِمَامُ الْأَتْقِيَآءِ وَسَيِّدُ الْمُرْسَلِيْنَ وَحَبِيْبُ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ.

ترجمہ: آپ صلی اللہ علیہ وسلم خاتم الانبیاء ہیں، نیک لوگوں کے امام ہیں، تمام رسولوں کے سردار ہیں اور رب العالمین کے محبوب ہیں۔

☼ ﴿سُبْحٰنَ الَّذِيْٓ اَسْرٰى بِعَبْدِهٖ لَيْلًا مِّنَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ اِلَى الْمَسْجِدِ الْاَقْصَا﴾. (الاسراء:1)

ترجمہ: پاک ہے وہ ذات جو اپنے بندے کو راتوں رات مسجد حرام سے مسجد اقصی تک لے گئی۔

سفر اسراء آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا اعزاز ہے اور اعزاز کے موقع پر اعلیٰ اوصاف ذکر کیے جاتے ہیں۔ لفظ "عبد" کے ساتھ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا تذکرہ کرنا اس بات کی واضح دلیل ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا وصف عبدیت تمام کمالات میں اعلیٰ وارفع شان کا حامل ہے۔

[30]: آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم آخری نبی ہیں اور آپ کے بعد کوئی نبی پیدا نہیں ہو گا۔ ختم نبوت ایک اجماعی عقیدہ ہے جس کا منکر دائرہ اسلام سے خارج ہے۔

☼ ﴿مَا كَانَ مُحَمَّدٌ اَبَآ اَحَدٍ مِّنْ رِّجَالِكُمْ وَلٰكِنْ رَّسُوْلَ اللّٰهِ وَخَاتَمَ النَّبِيّٖنَ ۭ وَكَانَ اللّٰهُ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمًا﴾. (الاحزاب:40)

ترجمہ: محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) تمہارے مردوں میں سے کسی کے باپ نہیں لیکن اللہ کے رسول اور آخری نبی ہیں اور اللہ تعالیٰ ہر چیز کو جاننے والے ہیں۔

☼ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

....

أُعۡطِیۡتُ جَوَامِعَ الۡكَلِمِ وَنُصِرۡتُ بِالرُّعۡبِ وَأُحِلَّتۡ لِیَ الۡغَنَائِمُ وَجُعِلَتۡ لِیَ الۡأَرۡضُ طَهُوۡرًا وَمَسۡجِدًا وَأُرۡسِلۡتُ إِلَى الۡخَلۡقِ كَافَّةً وَخُتِمَ بِیَ النَّبِیُّوۡنَ. (صحیح مسلم: ج1 ص199 کتاب المساجد ومواضع الصلاۃ)

ترجمہ: مجھے چھ اعزازات دے کر دیگر انبیاء علیہم السلام پر فضیلت دی گئی: (۱) مجھے جوامع الکلم دیے گئے (۲) رعب عطا فرما کے میری مدد کی گئی (۳) مال غنیمت کو میرے لیے حلال کیا گیا (۴) پوری زمین کو میرے لیے "طَهُوۡر" یعنی پاک کرنے کا ذریعہ بنا دیا گیا (۵) پوری زمین کو میرے لیے سجدہ گاہ بنا دیا گیا اور (۶) مجھے پوری مخلوق کا نبی بنا دیا گیا۔ ان تمام اعزازات کی وجہ یہ ہے کہ مجھے آخری نبی بنایا گیا ہے۔

اس تشریح کے مطابق "وَخُتِمَ بِیَ النَّبِیُّوۡنَ" مستقل اعزاز ہے اور اس سے پہلے ذکر کی گئی چھے چیزیں اس اعزاز کی دلیل ہیں۔ اس حدیث کی مزید تشریح بندہ کی کتاب "دروس الحدیث" میں ملاحظہ کی جا سکتی ہے۔

☼ ملا علی بن سلطان محمد القاری الھروی الحنفی (ت 1014ھ) فرماتے ہیں:

وَدَعۡوَى النُّبُوَّةِ بَعۡدَ نَبِیِّنَا صَلَّى اللهُ تَعَالٰى عَلَیۡهِ وَسَلَّمَ كُفۡرٌ بِالۡإِجۡمَاعِ. (شرح الفقہ الاکبر: ص451)

ترجمہ: ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد کسی اور شخص کا دعوی نبوت کرنا کفر ہے۔

فائدہ: بانی دار العلوم دیوبند قاسم العلوم والخیرات حضرت مولانا محمد قاسم نانوتوی (ت 1297ھ) نے اپنی کتاب "تحذیر الناس" میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ختم نبوت کی ایسی جامع اور دلنشیں تشریح فرمائی ہے کہ جس سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی خاتمیت کامل اور مکمل طور پر ظاہر ہوتی ہے۔ اس مضمون کا خلاصہ یہ ہے:

....

خاتمیت ایک جنس ہے جس کی دو انواع ہیں۔ ایک خاتمیت باعتبار زمانہ کے ہے یعنی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت کا زمانہ تمام انبیاء علیہم السلام کی نبوت کے زمانہ کے بعد ہے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم زمانہ کے اعتبار سے تمام انبیاء علیہم السلام کی نبوت کے خاتم ہیں۔ دوسری نوع خاتمیت باعتبار ذات ہے جس کا مطلب یہ ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم ہی کی نبوت پر تمام انبیاء علیہم السلام کی نبوت ختم اور منتہی ہوئی ہے اور جس طرح آپ صلی اللہ علیہ وسلم زمانہ کے اعتبار سے خاتم النبیین ہیں اسی طرح ذات کے اعتبار سے بھی خاتم النبیین ہیں کیونکہ ہر بالعرض شے بالذات شے پر ختم ہو جاتی ہے، اس سے آگے سلسلہ نہیں چلتا۔ چونکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت بالذات ہے اور باقی تمام انبیاء علیہم السلام کی نبوت بالعرض ہے اس لیے کہ سارے انبیاء علیہم السلام کی نبوت آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت کی وجہ سے ہے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم ہی فردِ اکمل، یکتا، دائرہ رسالت و نبوت کے مرکز اور عقد نبوت کے واسطہ ہیں تو آپ علیہ السلام ذات اور زمانہ دونوں اعتبار سے خاتم النبیین ہوئے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی خاتمیت صرف زمانہ کے اعتبار سے نہیں ہے اس لیے کہ یہ کوئی بڑی فضیلت اور زیادہ اعزاز کی بات نہیں کہ آپ علیہ السلام کا زمانہ تمام انبیاء سابقین علیہم السلام کے زمانہ کے بعد ہے بلکہ کامل سرداری و بلندی مقام اور انتہاء درجہ کی عظمت و فضیلت اسی وقت ثابت ہو گی جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی خاتمیت ذات اور زمانہ دونوں اعتبار سے ہو ورنہ محض زمانہ کے اعتبار سے خاتم الانبیاء ہونے سے نہ تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی سیادت و رفعت کمال کو پہنچے گی اور نہ ہی آپ صلی اللہ علیہ و سلم کو جامعیت و فضیلت کلی حاصل ہو گی۔ (المہند علی لمفند: ص 71، 72)

[31]: وَكُلُّ دَعْوَى النُّبُوَّةِ بَعْدَ نُبُوَّتِهِ فَغَيٌّ وَهَوًى.

ترجمہ: آپ صلی للہ علیہ وسلم کے بعد کسی قسم کی نبوت کا دعویٰ کرنا گمراہی اور خواہش پرستی ہے۔

[32]: وَهُوَ الْمَبْعُوثُ إِلَى عَامَّةِ الْجِنِّ وَكَافَّةِ الْوَرَى بِالْحَقِّ وَالْهُدَى وَبِالنُّورِ وَالضِّيَاءِ.

ترجمہ: آپ صلی للہ علیہ وسلم کو تمام جنات اور ساری کائنات کی طرف حق وہدایت اور نور وضیاء دے کر بھیجا گیا ہے۔

---

[31]: آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد ہر قسم کی نبوت کا دعویٰ کرنا گمراہی ہے، چاہے ظلی ہو یا بروزی، تشریعی ہو یا غیر تشریعی۔

[32]: آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت کا دائرہ خاص افراد یا مخصوص خطے پر مشتمل نہیں بلکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت جن وانس بلکہ تمام مخلوق کے لیے عام ہے اور اس کا دائرہ پوری کائنات ہے۔

اللہ تعالیٰ نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو دین اسلام دے کر بھیجا ہے جو سراپا حق وصداقت ہے اور کفر وشرک کے گھٹاٹوپ اندھیروں میں مینارہ نور وہدایت ہے۔ اس لیے اسی کی پیروی کرنا ہی انسان کو کامیابی اور کامرانی سے ہمکنار کرے گا۔

☼ ﴿قُلْ يَا أَيُّهَا النَّاسُ إِنِّي رَسُولُ اللَّهِ إِلَيْكُمْ جَمِيعًا﴾. (الاعراف:158)

ترجمہ: کہہ دیجیے! اے لوگو میں تم سب کی طرف اللہ کا رسول بنا کر بھیجا گیا ہوں۔

☼ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے:

وَأُرْسِلْتُ إِلَى الْخَلْقِ كَافَّةً. (صحیح مسلم: ج1 ص199 کتاب المساجد ومواضع الصلاۃ)

ترجمہ: مجھے پوری مخلوق کا نبی بنایا گیا۔

قرآن کریم

[33]: وَإِنَّ الْقُرْآنَ كَلَامُ اللهِ مِنْهُ بَدَأَ بِلَا كَيْفِيَّةٍ قَوْلًا وَأَنْزَلَهُ عَلٰى رَسُوْلِهٖ وَحْيًا وَصَدَّقَهُ الْمُؤْمِنُوْنَ عَلٰى ذٰلِكَ حَقًّا وَأَيْقَنُوْا أَنَّهُ كَلَامُ اللهِ تَعَالٰى بِالْحَقِيْقَةِ لَيْسَ بِمَخْلُوْقٍ كَكَلَامِ الْبَرِيَّةِ فَمَنْ سَمِعَهُ فَزَعَمَ أَنَّهُ كَلَامُ الْبَشَرِ فَقَدْ كَفَرَ وَقَدْ ذَمَّهُ اللهُ وَعَابَهُ وَأَوْعَدَهُ بِسَقَرَ حَيْثُ قَالَ تَعَالٰى: ﴿سَأُصْلِيْهِ سَقَرَ﴾ فَلَمَّا أَوْعَدَ اللهُ بِسَقَرَ لِمَنْ قَالَ: "اِنْ هٰذَا اِلَّا قَوْلُ الْبَشَرِ" عَلِمْنَا وَأَيْقَنَّا أَنَّهُ قَوْلُ خَالِقِ الْبَشَرِ وَلَا يُشْبِهُ قَوْلَ الْبَشَرِ.

ترجمہ: اور (ہمارا یہ بھی ایمان ہے کہ) قرآن اللہ تعالیٰ کا کلام ہے، اللہ تعالیٰ سے اس کا ظہور بغیر کسی کیفیت کے قول کی شکل میں ہوا ہے اور اللہ تعالیٰ نے وحی کی شکل میں اسے اپنے نبی پر نازل فرمایا ہے اور مؤمنین نے حق سمجھ کر اس کی تصدیق کی ہے اور اس بات پر یقین کیا ہے کہ یہ حقیقتاً اللہ تعالیٰ کا کلام ہے، انسانوں کے کلام کی طرح مخلوق نہیں۔ جس شخص نے اس کلام کو سنا اور یہ عقیدہ بنالیا کہ یہ کسی انسان کا کلام ہے تو ایسا شخص کافر ہے، اللہ تعالیٰ نے ایسے شخص کی مذمت اور برائی بیان کی ہے اور اسے جہنم کی وعید سنائی ہے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ”عنقریب میں اس شخص کو جہنم رسید کروں گا۔“ جب اللہ تعالیٰ نے اس شخص کو جہنم کی وعید سنائی جس نے یہ کہا تھا کہ ”یہ تو کسی انسان کا ہی کلام ہے“ تو ہمیں یہ معلوم ہو گیا اور ہم نے اس بات کا یقین کر لیا کہ یہ خالقِ بشر کا کلام ہے اور بشر کے کلام کی طرح نہیں ہے۔

---

[33]: اللہ تعالیٰ کی ذات اور صفات کیفیات سے پاک ہیں۔ امام ابو بکر احمد بن الحسین بن علی بن موسیٰ البیہقی (ت 458ھ) فرماتے ہیں:

....

فَاِنَّ الَّذِیْ یَجِبُ عَلَیْنَا وَعَلٰی کُلِّ مُسْلِمٍ اَنْ یَّعْلَمَہٗ: أَنَّ رَبَّنَا لَیْسَ بِذِیْ صُوْرَۃٍ وَلَا ھَیْئَۃٍ فَاِنَّ الصُّوْرَۃَ تَقْتَضِی الْکَیْفِیَّۃَ وَھِیَ عَنِ اللّٰہِ وَعَنْ صِفَاتِہٖ مَنْفِیَّۃٌ.

(کتاب الاسماء والصفات: ج2 ص21، باب ما ذکر فی الصورۃ)

ترجمہ: ہم تمام مسلمانوں کے لیے یہ عقیدہ رکھنا ضروری ہے کہ ہمارا رب صورت اور ہیئت سے پاک ہے کیونکہ صورت کیفیت کا تقاضا کرتی ہے اور اللہ تعالیٰ کی ذات اور اس کی صفات کیفیات سے پاک ہیں۔

اس لیے ہمارا عقیدہ ہے کہ قرآن کریم اللہ تعالیٰ کا کلام اور صفت ہے اور بغیر کسی کیفیت سے اللہ تعالیٰ سے اس کا ظہور ہوا ہے۔

سوال: امام مالک بن انس المدنی رحمۃ اللہ علیہ سے پوچھا گیا:

کَیْفَ اسْتَوٰی؟ کہ استویٰ علی العرش کی کیفیت کیا ہے؟

تو انہوں نے فرمایا:

اَلْاِسْتِوَاءُ مَعْلُوْمٌ وَالْکَیْفُ مَجْھُوْلٌ وَالْاِیْمَانُ بِہٖ وَاجِبٌ وَالسُّوَالُ عَنْہُ بِدْعَۃٌ.

(شرح العقیدۃ الطحاویہ لابن ابی العز: ج1 ص188)

ترجمہ: استواء معلوم ہے، کیفیت مجہول ہے، اس پر ایمان لانا واجب ہے اور اس کے بارے میں سوال کرنا بدعت ہے۔

استواء کی کیفیت کو مجہول قرار دینا دلیل ہے کہ امام مالک رحمۃ اللہ علیہ بھی صفات باری تعالیٰ کی کیفیات کے قائل ہیں۔

....

جواب: یہ مقولہ امام مالک رحمۃ اللہ علیہ سے باسند صحیح ثابت ہی نہیں۔

(التعلیق علی کتاب الاسماء والصفات: ج2ص151)

اس کے برعکس امام بیہقی رحمۃ اللہ علیہ اور حافظ ابن حجر عسقلانی رحمۃ اللہ علیہ نے سند جید کے ساتھ امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کا صحیح قول نقل کیا ہے کہ عبداللہ بن وھب رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ ہم امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کے پاس بیٹھے ہوئے تھے کہ ایک آدمی آیا اور امام مالک رحمۃ اللہ علیہ سے کہنے لگا:

يَا اَبَا عَبْدِاللّٰهِ ! اَلرَّحْمٰنُ عَلَى الْعَرْشِ اسْتَوٰى، كَيْفَ اسْتِوَاءُهٗ؟

اے ابو عبد اللہ ! رحمٰن عرش پر مستوی ہے' اس کا استواء کیسے ہے؟

ابن وہب فرماتے ہیں کہ امام مالک نے سر جھکا لیا اور آپ کو پسینہ آ گیا۔ پھر آپ نے سر اٹھایا اور فرمایا:

اَلرَّحْمٰنُ عَلَى الْعَرْشِ اسْتَوٰى كَمَا وَصَفَ نَفْسَهٗ ،لَا يُقَالُ كَيْفَ؟ وَ كَيْفَ عَنْهُ مَرْفُوْعٌ.

رحمٰن عرش پر مستوی ہے جیسا کہ اس نے خود بیان کیا ہے' یہ نہ کہا جائے کہ کیسے؟ (یعنی کیفیت کی نفی کی جائے) اور اللہ سے کیفیت مرفوع ہے (یعنی کیفیت کا لفظ اللہ تعالیٰ کے لیے نہیں بولا جاتا)

(کتاب الاسماء والصفات: ج2ص150، فتح الباری: ج13ص498)

اسی طرح امام ابو بکر بیہقی اور علامہ ابن حجر عسقلانی نے ولید بن مسلم کے طریق سے نقل کیا ہے کہ امام اوزاعی' امام مالک' امام سفیان ثوری اور امام لیث بن سعد رحمۃ اللہ علیہم سے ان احادیث سے متعلق سوال کیا گیا جن میں اللہ کی صفات کا بیان

....

ہے تو ان سب نے فرمایا:

اَمِرُّوْهَا كَمَا جَاءَتْ بِلَا كَيْفِيَّةٍ.

ترجمہ: یہ احادیث جیسے آئی ہیں ویسے بیان کرو کیفیت کے بغیر۔

(کتاب الاسماء والصفات: ج2 ص198، فتح الباری لابن حجر ج13 ص498)

تو امام مالک رحمۃ اللہ علیہ سے مروی درج بالا روایات میں "کیف" کی با قاعدہ نفی ہے۔

فائدہ: قرآن کریم کے حقوق

قرآن کریم کے تین حقوق ہیں: پڑھنا، سمجھنا اور عمل کرنا

(1): قرآن کریم کو پڑھنا

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿وَرَتِّلِ الْقُرْاٰنَ تَرْتِيْلًا﴾. (المزمل:4)

ترجمہ: اور قرآن کو ٹھہر ٹھہر کر پڑھو!

عَنْ حُذَيْفَةَ بْنِ الْيَمَانِ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ عَنْ رَسُوْلِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَنَّهُ قَالَ: "اِقْرَءُوا الْقُرْآنَ بِلُحُوْنِ الْعَرَبِ وَأَصْوَاتِهَا وَإِيَّاكُمْ وَلُحُوْنَ أَهْلِ الْفِسْقِ وَأَهْلِ الْكِتَابَيْنِ فَإِنَّهُ سَيَجِيءُ مِنْ بَعْدِيْ قَوْمٌ يُرَجِّعُوْنَ بِالْقُرْآنِ تَرْجِيْعَ الْغِنَاءِ وَالرَّهْبَانِيَّةِ وَالنَّوْحِ لَا يُجَاوِزُ حَنَاجِرَهُمْ مَفْتُوْنَةٌ قُلُوْبُهُمْ وَقُلُوْبُ مَنْ يُعْجِبُهُمْ شَأْنُهُمْ.

(شعب الایمان للبیہقی: ج4 ص208 فصل فی ترک التعمق فی القرآن)

ترجمہ: حضرت حذیفہ بن یمان رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: قرآن مجید کو عربوں کے لہجوں اور ان کی آواز میں پڑھا کرو اور فاسق

....

لوگوں اور اہل کتاب کے لہجوں سے بچو کیونکہ میرے بعد کچھ لوگ ایسے آئیں گے جو گویوں، گوشہ نشین راہبوں اور ماتم کرنے والوں کی طرح قرآن کو گا گا کر پڑھیں گے لیکن قرآن مجید ان کے حلق سے نیچے نہیں اترے گا۔ ان گویوں اور ان کی گائیکی سے متاثر ہونے والوں کے دل فتنوں سے لبریز ہوں گے۔

اس لیے قرآن مجید کو ٹھہر ٹھہر، خوش الحانی اور آداب کی رعایت کے ساتھ پڑھنا چاہیے۔ چند آداب یہ ہیں:

۱: تلاوت کرنے کے لئے وضو کا ہونا مستحب اور چھونے کے لئے وضو کا ہونا ضروری ہے۔

۲: قرآن مجید کی تعظیم کے خیال سے مسواک کرنا۔

۳: پاک اور صاف جگہ پر بیٹھ کر تلاوت کرنا۔

۴: تعوذ پڑھنا۔

۵: تسمیہ پڑھنا۔

۶: ترتیل و تجوید کے ساتھ پڑھنا۔

۷: خوش آوازی اور لب ولہجہ کی درستگی کے ساتھ پڑھنا۔

۸: قرآن مجید رو کر پڑھنا، اگر رونا نہ آئے تو رونے کی کیفیت بنالینا۔

۹: تلاوت کرتے ہوئے معانی پر غور کرنا۔

۱۰: یہ تصور کرنا کہ اللہ تعالیٰ مجھ سے مخاطب ہیں۔

(2): قرآن کریم کو سمجھنا

قرآن کریم کو سمجھنے کے لیے تین شرائط ہیں:

....

1: عربی زبان محاوراتِ عرب کے ساتھ آتی ہو جو کہ عربی ادب کے ساتھ آئے گی۔

☼ عَنْ عَدِيِّ بْنِ حَاتِمٍ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ قَالَ لَمَّا نَزَلَتْ حتّٰى يَتَبَيَّنَ لَكُمُ الْخَيْطُ الْاَبْيَضُ مِنَ الْخَيْطِ الْاَسْوَدِ مِنَ الْفَجْرِ قَالَ لَهُ عَدِيٌّ: يَا رَسُولَ اللهِ! إِنِّي أَجْعَلُ تَحْتَ وِسَادَتِي عِقَالَيْنِ عِقَالًا أَبْيَضَ وَعِقَالًا أَسْوَدَ أَعْرِفُ اللَّيْلَ مِنَ النَّهَارِ فَقَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: "إِنَّ وِسَادَتَكَ لَعَرِيضٌ إِنَّمَا هُوَ سَوَادُ اللَّيْلِ وَبَيَاضُ النَّهَارِ".

(صحیح مسلم: ج1 ص349 باب بیان ان الدخول فی الصوم یحصل بطلوع الفجر الخ)

ترجمہ: حضرت عدی بن حاتم رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ جب قرآن کی یہ آیت اتری: ﴿حتّٰى يَتَبَيَّنَ لَكُمُ الْخَيْطُ الْاَبْيَضُ مِنَ الْخَيْطِ الْاَسْوَدِ مِنَ الْفَجْرِ﴾ کہ رمضان میں کھایا پیا کرو جب تک کہ سفید دھاگہ سیاہ دھاگے سے جدا نہ ہو، تو میں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا کہ میں نے اونٹ کی ایک رسی سیاہ اور دوسری سفید اپنے تکیے کے نیچے رکھی تا کہ اس کے ذریعے رات اور دن میں امتیاز کر لوں۔ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: آپ کا تکیہ تو بہت لمبا چوڑا ہے۔ (یعنی آپ نے سمجھا نہیں، قرآن کا مطلب سیاہ اور سفید ڈورے سے رات کی سیاہی اور دن کی سفیدی ہے)

2: قرآنی آیات کا پسِ منظر، شانِ نزول، Background معلوم ہو جو کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے آئے گا۔

☼ عَنْ أَسْلَمَ أَبِي عِمْرَانَ قَالَ: غَزَوْنَا مِنَ الْمَدِينَةِ نُرِيدُ الْقُسْطَنْطِينِيَّةَ وَعَلَى الْجَمَاعَةِ عَبْدُ الرَّحْمٰنِ بْنُ خَالِدِ بْنِ الْوَلِيدِ وَالرُّوْمُ مُلْصِقُوْ ظُهُوْرِهِمْ

....

بِحَائِطِ الْمَدِيْنَةِ فَحَمَلَ رَجُلٌ عَلَى الْعَدُوِّ فَقَالَ النَّاسُ : مَهْ مَهْ لَا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ يُلْقِيْ بِيَدَيْهِ إِلَى التَّهْلُكَةِ. فَقَالَ أَبُوْ أَيُّوْبَ : إِنَّمَا نَزَلَتْ هٰذِهِ الْآيَةُ فِيْنَا مَعْشَرَ الْأَنْصَارِ لَمَّا نَصَرَ اللّٰهُ نَبِيَّهُ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَأَظْهَرَ الْإِسْلَامَ قُلْنَا : هَلُمَّ نُقِيْمُ فِيْ أَمْوَالِنَا وَنُصْلِحُهَا فَأَنْزَلَ اللّٰهُ تَعَالٰى ﴿وَاَنْفِقُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَلَا تُلْقُوْا بِاَيْدِيْكُمْ اِلَى التَّهْلُكَةِ﴾ فَالْإِلْقَاءُ بِالْأَيْدِيْ إِلَى التَّهْلُكَةِ أَنْ نُقِيْمَ فِيْ أَمْوَالِنَا وَنُصْلِحَهَا وَنَدَعَ الْجِهَادَ.

(سنن ابی داؤد: ج1 ص340 باب فی قولہ تعالیٰ وَلَا تُلْقُوْا بِاَيْدِيْكُمْ اِلَى التَّهْلُكَةِ)

ترجمہ: حضرت اسلم ابی عمران فرماتے ہیں کہ ہم مدینہ منورہ سے قسطنطنیہ پر حملے کے لئے روانہ ہوئے۔ ہمارے امیر لشکر حضرت عبدالرحمن بن خالد بن ولید رضی اللہ عنہ تھے۔ (لڑائی کے وقت) رومی لشکر اپنے شہر کی دیوار سے چپکا ہوا تھا۔ مسلمانوں میں سے ایک مجاہد نے دشمنوں پر (تنہا) حملہ کر دیا۔ یہ دیکھ کر لوگ شور کرنے لگے اور کہنے لگے کہ یہ شخص اپنے ہاتھوں سے خود کو ہلاکت میں ڈال رہا ہے (حالانکہ قرآن مجید میں تو آیا ہے ﴿وَلَا تُلْقُوْا بِاَيْدِيْكُمْ اِلَى التَّهْلُكَةِ﴾ کہ اپنے آپ کو ہلاکت میں نہ ڈالو) حضرت ابو ایوب انصاری رضی اللہ عنہ نے فرمایا: یہ آیت تو ہم انصار کے بارے میں اس وقت نازل ہوئی تھی جب اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی مدد فرمائی اور اسلام کو غالب فرمادیا تو ہم نے کہا کہ ہم کچھ عرصہ اپنے مال اور کاروبار کی اصلاح کے لئے گھروں میں رک جاتے ہیں، اس پر یہ آیت نازل ہوئی جس میں بتادیا گیا کہ ہاتھوں سے خود کو ہلاک کرنا یہ ہے کہ ہم جہاد چھوڑ کر اپنے گھروں میں بیٹھے رہیں اور اپنے اموال کی اصلاح کرتے رہیں۔

....

3: مرادِ خداوندی معلوم ہو جو کہ رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم سے آئے گی۔

☼ عَنْ عَبْدِ اللهِ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ قَالَ لَمَّا نَزَلَتْ ﴿الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَلَمْ یَلْبِسُوْا اِیْمَانَهُمْ بِظُلْمٍ﴾ قُلْنَا يَا رَسُولَ اللهِ! أَيُّنَا لَا يَظْلِمُ نَفْسَهُ قَالَ لَيْسَ كَمَا تَقُوْلُوْنَ {لَمْ يَلْبِسُوْا اِيْمَانَهُمْ بِظُلْمٍ} بِشِرْكٍ أَوَلَمْ تَسْمَعُوْا إِلٰى قَوْلِ لُقْمَانَ لِابْنِهٖ ﴿یٰبُنَیَّ لَا تُشْرِكْ بِاللّٰهِ اِنَّ الشِّرْكَ لَظُلْمٌ عَظِیْمٌ﴾

(صحیح البخاری: ج1 ص474 باب قول اللہ تعالی وَاتَّخَذَ اللهُ اِبْرَاهِیْمَ خَلِیْلًا)

ترجمہ: حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ جب آیت کریمہ ﴿اَلَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَلَمْ یَلْبِسُوْا اِیْمَانَهُمْ بِظُلْمٍ﴾ کہ جو لوگ ایمان لائے اور انہوں نے اپنے ایمان کو ظلم کے ساتھ مخلوط نہیں کیا، نازل ہوئی تو ہم نے کہا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہم میں ایسا کون ہے جس نے اپنے اوپر (گناہ کر کے) ظلم نہیں کیا؟ فرمایا یہ بات تمہارے خیال کے مطابق نہیں ہے بلکہ "لَمْ یَلْبِسُوْا اِیْمَانَهُمْ بِظُلْمٍ" میں ظلم سے مراد شرک ہے۔ کیا تم لوگوں نے حضرت لقمان کی بات جو انہوں نے اپنے بیٹے سے کہی تھی نہیں سنی کہ اے میرے بیٹے! اللہ کے ساتھ شرک نہ کرنا کیونکہ شرک بہت بڑا ظلم ہے۔

(3): قرآن کریم پر عمل کرنا

قرآن کریم پڑھنے اور سمجھنے سے مقصود اس پر عمل کرنا ہے۔ قرآن کریم پر عمل کرنے کے لئے شیخ طریقت کی رہنمائی ضروری ہے۔ شیخ طریقت کی صحبت اور قلبی توجہات سے انسان میں عمل کا جذبہ پیدا ہوتا ہے اور شریعت پر عمل کرنا آسان ہو جاتا ہے۔

[34]: وَمَنْ وَصَفَ اللهَ بِمَعْنًى مِنْ مَعَانِي الْبَشَرِ فَقَدْ كَفَرَ فَمَنْ أَبْصَرَ هٰذَا اعْتَبَرَ وَعَنْ مِثْلِ قَوْلِ الْكُفَّارِ انْزَجَرَ وَعَلِمَ أَنَّهُ بِصِفَاتِهِ لَيْسَ كَالْبَشَرِ.

ترجمہ: جو شخص اللہ تعالیٰ کے لیے بشر کی صفات میں سے کسی صفت کو ثابت کرے تو یہ شخص کافر ہے، جو شخص بصیرت کی نگاہ سے دیکھے گا تو وہ عبرت حاصل کرے گا (یعنی اللہ تعالیٰ کو انسانوں کی طرح نہیں کہے گا) اور کفار کی طرح بات کرنے سے باز رہے گا اور یقین کرلے گا کہ اللہ تعالیٰ انسانوں جیسی صفات نہیں رکھتا۔

---

[34]: امام طحاوی رحمۃ اللہ علیہ اس بات پر تنبیہ فرمارہے ہیں کہ قرآن اللہ تعالیٰ کا کلام ہے اور اللہ تعالیٰ ہی سے اس کا ظہور ہوا ہے تو کوئی یہ نہ سمجھے کہ اللہ تعالیٰ مخلوق کی طرح متکلم ہیں - معاذاللہ - بلکہ اللہ تعالیٰ کے لیے صفت کلام ثابت ہے لیکن مخلوق کی طرح نہیں ہے۔ مخلوق کلام کرنے کے لیے زبان کی محتاج ہے اور باری تعالیٰ زبان کے بغیر کلام فرماتے ہیں کیونکہ انہیں زبان کی احتیاج نہیں ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ صمد اور بے نیاز ذات ہے اور کسی چیز کا محتاج ہونا اس شان بے نیازی کے خلاف ہے۔

تو مخلوق کے کلام کرنے کا معنی الگ ہے اور خالق کے کلام کرنے کا معنی الگ ہے۔ اس لیے جو شخص مخلوق کی صفات کو خدا تعالیٰ کے لیے ثابت کرے وہ کافر ہے۔

☼ ﴿لَيْسَ كَمِثْلِهٖ شَيْءٌ وَّهُوَ السَّمِيْعُ الْبَصِيْرُ﴾. (الشوریٰ:11)

ترجمہ: اللہ کی مثل کوئی چیز نہیں، وہ سننے والا اور دیکھنے والا ہے۔

☼ ﴿قُلْ هُوَ اللّٰهُ أَحَدٌ ○ اَللّٰهُ الصَّمَدُ ○﴾. (اخلاص:1،2)

ترجمہ: کہہ دیجیے کہ اللہ ایک ہے۔ اللہ کسی کا محتاج نہیں بلکہ سب اس کے محتاج ہیں۔

رؤیت باری تعالیٰ

[35]: وَالرُّؤْيَةُ حَقٌّ لِأَهْلِ الْجَنَّةِ بِغَيْرِ إِحَاطَةٍ وَلَا كَيْفِيَّةٍ كَمَا نَطَقَ بِهِ كِتَابُ رَبِّنَا: ﴿وُجُوهٌ يَوْمَئِذٍ نَّاضِرَةٌ إِلَىٰ رَبِّهَا نَاظِرَةٌ﴾ وَتَفْسِيرُهُ عَلَى مَا أَرَادَهُ اللهُ تَعَالَى وَعَلِمَهُ وَكُلُّ مَا جَاءَ فِي ذٰلِكَ مِنَ الْحَدِيثِ الصَّحِيحِ عَنِ الرَّسُولِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَهُوَ كَمَا قَالَ وَمَعْنَاهُ عَلَى مَا أَرَادَ لَا نَدْخُلُ فِي ذٰلِكَ مُتَأَوِّلِينَ بِآرَائِنَا وَلَا مُتَوَهِّمِينَ بِأَهْوَائِنَا فَإِنَّهُ مَا سَلِمَ فِي دِينِهِ إِلَّا مَنْ سَلَّمَ لِلّٰهِ تَعَالَى وَلِرَسُولِهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَرَدَّ عِلْمَ مَا اشْتَبَهَ عَلَيْهِ إِلَى عَالِمِهِ.

ترجمہ: اہلِ جنت کا اللہ تعالیٰ کو بغیر احاطہ اور بغیر کیفیت کے دیکھنا برحق ہے جیسا کہ ہمارے رب کی کتاب اس بارے میں فرماتی ہے: ”اس دن کئی چہرے تر وتازہ ہوں گے، اپنے رب کی طرف دیکھ رہے ہوں گے“ اس کا وہی مطلب قابلِ قبول ہوگا جو اللہ تعالیٰ کے ارادہ اور علم کے مطابق ہوگا اور اس بارے میں ہر وہ صحیح حدیث جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے صحابہ رضی اللہ عنہم سے مروی ہو تو اس کا بھی وہی معنی ومطلب ہوگا جو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے بیان فرمایا اور مراد لیا ہو۔ ہم (رؤیت کا) معنی بیان کرنے میں اپنی رائے سے کوئی تاویل نہیں کرتے اور نہ ہی اپنی خواہشات کی بنا پر کسی اٹکل پچو سے کام لیتے ہیں، اس لیے کہ دین کے معاملے میں وہی شخص محفوظ رہتا ہے جو اپنے آپ کو اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے حوالے کر دے اور جو مسئلہ اس پر مشتبہ ہو جائے تو اس کے لیے کسی عالم کی طرف رجوع کرے۔

---

[35]: جنتیوں کو اللہ تعالیٰ کا دیدار بغیر احاطے اور بغیر کیفیت کے ہوگا اس لیے کہ انسانی آنکھ اللہ تعالیٰ کا احاطہ کرنے سے قاصر ہے۔ ارشاد باری ہے:

....

☆ ﴿لَا تُدۡرِکُهُ الۡاَبۡصَارُ﴾.(الانعام:103)

ترجمہ: آنکھیں اللہ تعالیٰ کا احاطہ نہیں کر سکتیں۔

اس رؤیت کا وہی معنی قابل قبول ہو گا جو قرآن و سنت ثابت ہے یعنی اس رؤیت سے مراد رؤیت بصری ہے، رؤیت قلبی نہیں، اپنی آراء اور خواہشات کی بنا پر رؤیت کا خود ساختہ معنی بیان کرنا جو نصوص قرآن و سنت کے خلاف ہو گمراہی کا سبب ہے۔ اس لیے دین وایمان کی سلامتی اسی میں ہے کہ انسان اپنی آراء کو اللہ تعالیٰ اور رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے تابع کر دے۔

رؤیت باری تعالیٰ کے دلائل:

(۱): قرآن مجید میں ہے:

﴿وُجُوۡهٌ یَّوۡمَئِذٍ نَّاضِرَةٌ اِلٰی رَبِّهَا نَاظِرَةٌ﴾.(سورۃ القیامۃ:22،23)

ترجمہ: اس دن کئی چہرے تر و تازہ ہوں گے، اپنے رب کی طرف دیکھ رہے ہوں گے۔

علامہ فخر الدین ابو عبد اللہ محمد بن عمر بن الحسین الرازی (ت606ھ) اس آیت کو اھل السنۃ والجماعۃ کے موقف کی دلیل بناتے ہوئے لکھتے ہیں:

اِعۡلَمۡ أَنَّ جُمۡهُوۡرَ أَهۡلِ السُّنَّةِ يَتَمَسَّكُوۡنَ بِهٰذِهِ الۡآيَةِ فِيۡ إِثۡبَاتِ أَنَّ الۡمُؤۡمِنِيۡنَ يَرَوۡنَ اللهَ تَعَالٰى يَوۡمَ الۡقِيَامَةِ. (التفسیر الکبیر للرازی:ج30ص200)

ترجمہ: جان لیجیے کہ جمہور اھل السنۃ اس آیت کو دلیل بناتے ہوئے کہتے ہیں کہ اس آیت سے ثابت ہوتا ہے کہ مؤمنین کو قیامت کے دن اللہ تعالیٰ کا دیدار ہو گا۔

(۲): قرآن مجید میں ہے:

﴿لِلَّذِیۡنَ اَحۡسَنُوا الۡحُسۡنٰی وَزِیَادَةٌ﴾.(سورۃ یونس:26)

....

ترجمہ: جن لوگوں نے اچھے کام کیے تو بہترین حالت انہی کی ہوگی اور اس سے بڑھ کر کچھ اور بھی!

اس آیت میں موجود الفاظ "حُسنیٰ" اور "زیادۃ" کی تفسیر خود آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے "جنت" اور "زیارت باری تعالیٰ" سے فرمائی ہے۔ حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

إِنَّ اللهَ يَبْعَثُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ مُنَادِيًا يُنَادِيْ: يَا أَهْلَ الْجَنَّةِ -بِصَوْتٍ يَسْمَعُهُ أَوَّلُهُمْ وَآخِرُهُمْ -إِنَّ اللهَ وَعَدَكُمُ الْحُسْنٰى وَزِيَادَةً فَالْحُسْنٰى الْجَنَّةُ وَالزِّيَادَةُ النَّظَرُ إِلٰى وَجْهِ الرَّحْمٰنِ.

(تفسیر الدر المنثور: ج3 ص574)

ترجمہ: اللہ تعالیٰ قیامت کے دن ایک منادی سے بلند آواز میں یہ اعلان کروائے گا کہ اے جنت والو! اللہ تعالیٰ نے تم سے جو "حُسنیٰ" اور "زیادۃ" کا وعدہ فرمایا تھا تو وہ حسنیٰ جنت ہے اور زیادہ؛ رحمٰن کا دیدار ہے۔

(۳): قرآن مجید میں ہے:

﴿عَلَى الْاَرَآئِكِ يَنْظُرُوْنَ﴾. (المطففین: 23)

ترجمہ: (جنتی) آرام دہ نشستوں پر بیٹھے نظارہ کر رہے ہوں گے۔

حافظ ابو الفداء اسماعیل بن عمر بن کثیر دمشقی شافعی (ت774ھ) اس آیت کی تفسیر میں لکھتے ہیں: ﴿عَلَى الْاَرَآئِكِ يَنْظُرُوْنَ﴾ أَيْ إِلَى اللهِ عَزَّ وَجَلَّ.

(تفسیر ابن کثیر: ج6 ص417)

ترجمہ: جنتی لوگ آرام دہ نشستوں پر بیٹھ کر اللہ رب العزت کا دیدار کریں گے۔

....

(۴): حضرت جریر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، فرماتے ہیں:

كُنَّا عِنْدَ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذْ نَظَرَ إِلَى الْقَمَرِ لَيْلَةَ الْبَدْرِ فَقَالَ: "أَمَا إِنَّكُمْ سَتَرَوْنَ رَبَّكُمْ كَمَا تَرَوْنَ هٰذَا لَا تُضَامُّوْنَ فِي رُؤْيَتِهٖ".

(صحیح البخاری: ج1 ص81 باب فضل صلاۃ الفجر)

ترجمہ: ہم نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر تھے، آپ علیہ السلام نے چودھویں رات کے چاند کو دیکھ کر فرمایا: تم اپنے رب کو ایسے دیکھو گے جیسے اس چاند کو دیکھ رہے ہو، اس کے نور وجمال کو دیکھنے میں کوئی دشواری پیش نہ آئے گی۔

(۵): حضرت صہیب رومی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

إِذَا دَخَلَ أَهْلُ الْجَنَّةِ الْجَنَّةَ قَالَ يَقُوْلُ اللّٰهُ تَبَارَكَ وَتَعَالٰى تُرِيْدُوْنَ شَيْئًا أَزِيْدُكُمْ؟ فَيَقُوْلُوْنَ: أَلَمْ تُبَيِّضْ وُجُوْهَنَا أَلَمْ تُدْخِلْنَا الْجَنَّةَ وَتُنَجِّنَا مِنَ النَّارِ قَالَ: فَيَكْشِفُ الْحِجَابَ، فَمَا أُعْطُوْا شَيْئًا أَحَبَّ إِلَيْهِمْ مِنَ النَّظَرِ إِلٰى رَبِّهِمْ.

(صحیح مسلم: ج1 ص100 کتاب الایمان. باب اثبات رؤیۃ المؤمنین فی الآخرۃ)

ترجمہ: جب جنتی جنت میں داخل ہو چکیں گے تو اللہ تبارک وتعالیٰ ان سے ارشاد فرمائیں گے: اگر تم لوگ کوئی اور نعمت چاہتے ہو تو میں تمہیں عطا کر دوں گا؟ جنتی لوگ عرض کریں گے: یا اللہ! کیا آپ نے ہمارے چہرے بارونق نہیں فرمائے؟ کیا آپ نے ہمیں جنت میں داخل نہیں کیا اور کیا دوزخ سے ہمیں نجات نہیں بخشی؟! آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ پھر اللہ تعالیٰ پردہ ہٹائیں گے تو جنت والوں کو کوئی ایسی نعمت نہیں دی گئی جو ان کو اللہ تعالیٰ کے دیدار سے زیادہ محبوب ہو گی۔

....

سوال: رؤیت باری تعالیٰ کا عقیدہ قرآن مجید کے خلاف ہے۔ قرآن مجید میں ہے:

﴿لَا تُدْرِكُهُ الْأَبْصَارُ وَهُوَ يُدْرِكُ الْأَبْصَارَ﴾ (سورۃ الانعام:103)

ترجمہ: آنکھیں اس (اللہ) کا احاطہ نہیں کر سکتیں اور وہ آنکھوں کا احاطہ کرتا ہے۔

جواب: احادیث میں جو رؤیت ثابت ہے وہ ”رؤیت بدون الاحاطہ“ ہے یعنی دیدار باری تعالیٰ تو ہو گا لیکن حق تعالیٰ شانہ کی ذات اور صفات کے کلی احاطہ کے بغیر ہو گا اور آیت میں جس رؤیت کی نفی ہے وہ ”رؤیت بالاحاطہ“ ہے یعنی باری تعالیٰ کو ذات و صفات کے احاطہ کے ساتھ دیکھنا ممکن نہیں ہے۔ امام فخر الدین ابو عبد اللہ محمد بن عمر بن الحسین الرازی الشافعی (ت606ھ) لکھتے ہیں:

اَلْمَرْئِيُّ إِذَا كَانَ لَهُ حَدٌّ وَنِهَايَةٌ وَأَدْرَكَهُ الْبَصَرُ بِجَمِيْعِ حُدُوْدِهٖ وَجَوَانِبِهٖ وَنِهَايَاتِهٖ صَارَ كَأَنَّ ذٰلِكَ الْإِبْصَارَ أَحَاطَ بِهٖ فَتُسَمّٰى هٰذِهِ الرُّؤْيَةُ إِدْرَاكًا أَمَّا إِذَا لَمْ يُحِطِ الْبَصَرُ بِجَوَانِبِ الْمَرْئِيِّ لَمْ تُسَمَّ تِلْكَ الرُّؤْيَةُ إِدْرَاكًا فَالْحَاصِلُ أَنَّ الرُّؤْيَةَ جِنْسٌ تَحْتَهَا نَوْعَانِ: رُؤْيَةٌ مَعَ الْإِحَاطَةِ وَرُؤْيَةٌ لَا مَعَ الْإِحَاطَةِ وَالرُّؤْيَةُ مَعَ الْإِحَاطَةِ هِيَ الْمُسَمَّاةُ بِالْإِدْرَاكِ فَنَفْيُ الْإِدْرَاكِ يُفِيْدُ نَفْيَ نَوْعٍ وَاحِدٍ مِنْ نَوْعَيِ الرُّؤْيَةِ وَنَفْيُ النَّوْعِ لَا يُوجِبُ نَفْيَ الْجِنْسِ فَلَمْ يَلْزَمْ مِنْ نَفْيِ الْإِدْرَاكِ عَنِ اللهِ تَعَالٰى نَفْيُ الرُّؤْيَةِ عَنِ اللهِ تَعَالٰى. (التفسیر الکبیر: ج13 ص104 تحت تفسیر سورۃ الانعام)

ترجمہ: دیکھی جانے والی چیز کی جب حد اور انتہاء ہو اور دیکھنے والی نظر تمام حدود، اطراف اور انتہاؤں کو گھیر لے تو گویا اس نظر نے اس چیز کو گھیر لیا۔ اس دیکھنے کو ”ادراک“ کہا جاتا ہے، لیکن جب نظر؛ دیکھی جانے والی چیز کے اطراف کا احاطہ نہ کرے تو اس دیکھنے کا نام ادراک نہیں ہوتا۔ خلاصہ یہ ہے کہ دیکھنا ایک جنس ہے جس

....

کے نیچے دو انواع ہیں، ایک دیکھنا احاطے کے ساتھ اور دوسرا دیکھنا بلا احاطہ کئے، صرف احاطے والے دیکھنے کو "ادراک" کہا جاتا ہے۔ اس لیے ادراک کی نفی سے دیکھنے کی ایک قسم کی نفی ثابت ہوئی اور ایک نوع کی نفی سے جنس کی نفی نہیں ہوتی۔ لہذا اللہ کے ادراک کی نفی سے اللہ کے دیکھنے کی نفی لازم نہیں آتی۔

تو اس آیت میں "ادراک" کی نفی ہے، "رؤیت" کی نفی نہیں ہے۔

فائدہ:

اھلِ ایمان کو رؤیت باری تعالیٰ کی نعمت تو جنت میں ملے گی لیکن امام الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم کو اللہ تعالیٰ نے یہ نعمت اسی زندگی میں عطا فرمائی ہے۔

1: عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: "رَأَيْتُ رَبِّيْ عَزَّ وَجَلَّ. (الخصائص الکبریٰ للسیوطی: ج1 ص267)

ترجمہ: حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: میں نے اپنے رب کو دیکھا ہے۔

2: عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: .... وَفُتِحَ لِيْ بَابٌ مِنْ أَبْوَابِ السَّمَآءِ وَرَأَيْتُ النُّوْرَ الْأَعْظَمَ.

(مسند البزار: ج14 ص10 رقم الحدیث 7389)

ترجمہ: حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ (طویل حدیث معراج نقل کرتے ہوئے) فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: میرے لیے آسمان کے دروازے کھولے گئے اور میں نے (آگے جا کر) نورِ اعظم (اللہ تعالیٰ کے نور) کو دیکھا ہے۔

3: عَنْ أَنَسٍ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ أَنَّ مُحَمَّدًا صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ رَأَى رَبَّهُ

....

تَبَارَكَ وَتَعَالٰی. (مسند البزار: ج13 ص426 رقم الحدیث 7165)

ترجمہ: حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے رب تبارک وتعالیٰ کو دیکھا ہے۔

4: وَحَكَى ابْنُ إِسْحَاقَ أَنَّ مَرْوَانَ سَأَلَ أَبَا هُرَيْرَةَ : هَلْ رَأَىٰ مُحَمَّدٌ رَبَّهُ؟ فَقَالَ: نَعَمْ. (الجامع لاحکام القرآن للقرطبی: ج1 ص1219 تحت تفسیر سورۃ الانعام)

ترجمہ: ابن اسحاق نے بیان کیا ہے کہ مروان نے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے پوچھا: کیا حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے رب کو دیکھا؟ انہوں نے فرمایا: "ہاں"

5: عَنِ الْمُبَارَكِ بْنِ فُضَالَةَ قَالَ: كَانَ الْحَسَنُ يَحْلِفُ بِاللهِ ثَلَاثَةً لَقَدْ رَأَىٰ مُحَمَّدٌ رَبَّهُ. (تفسیر عبد الرزاق الصنعانی: ج3 ص252)

ترجمہ: مبارک بن فضالہ کہتے ہیں کہ حضرت حسن بصری رحمہ اللہ تین مرتبہ اللہ کی قسم اٹھا کر کہتے تھے کہ بے شک آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے رب کو دیکھا ہے۔

6: امام ابو عبد اللہ محمد بن احمد الانصاری القرطبی (ت 671ھ) لکھتے ہیں:

وَإِلٰى هٰذَا ذَهَبَ الشَّيْخُ أَبُو الْحَسَنِ الْأَشْعَرِيُّ وَجَمَاعَةٌ مِنْ أَصْحَابِهٖ أَنَّ مُحَمَّدًا صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ رَأَى اللهَ بِبَصَرِهٖ وَعَيْنَيْ رَأْسِهٖ، وَقَالَهُ أَنَسٌ وَابْنُ عَبَّاسٍ وَعِكْرِمَةُ وَالرَّبِيعُ وَالْحَسَنُ. (الجامع لاحکام القرآن للقرطبی: ج1 ص1219)

ترجمہ: امام ابو الحسن اشعری اور ان کے شاگردوں کی ایک بڑی جماعت کا یہی موقف ہے کہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے اللہ تعالیٰ کو اپنے سر کی آنکھوں سے دیکھا ہے۔ یہی موقف حضرت انس، حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما، عکرمہ، ربیع اور حسن بصری رحمہم اللہ کا بھی ہے۔

[36]: وَلَا تَثْبُتُ قَدَمُ الْإِسْلَامِ إِلَّا عَلٰى ظَهْرِ التَّسْلِيمِ وَالْاِسْتِسْلَامِ فَمَنْ رَامَ عِلْمَ مَا حُظِرَ عَنْهُ عِلْمُهُ وَلَمْ يَقْنَعْ بِالتَّسْلِيمِ فَهْمُهُ حَجَبَهُ مَرَامُهُ عَنْ خَالِصِ التَّوْحِيدِ وَصَافِي الْمَعْرِفَةِ وَصَحِيحِ الْإِيمَانِ فَيَتَذَبْذَبُ بَيْنَ الْكُفْرِ وَالْإِيمَانِ وَالتَّكْذِيبِ وَالتَّصْدِيقِ وَالْإِقْرَارِ وَالْإِنْكَارِ مُوَسْوِسًا تَائِهًا زَائِغًا شَاكًّا لَا مُؤْمِنًا مُصَدِّقًا وَلَا جَاحِدًا مُكَذِّبًا.

ترجمہ: اسلام پر ثابت قدمی اسی صورت میں ہی ممکن ہے کہ خود کو (اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے) حوالے کیا جائے اور (شریعت کے سامنے) سر تسلیم خم کر دیا جائے۔ چنانچہ اگر کوئی شخص ان چیزوں کے جاننے کا ارادہ کرے جن سے روکا گیا ہے اور اپنی فہم کو (اللہ تعالیٰ کے) سپرد نہ کرے تو ایسے شخص کا یہ (باطل) مقصد اسے خالص توحید، صاف ستھری معرفت اور صحیح ایمان رکھنے سے روک دے گا۔ نتیجتاً یہ شخص کفر و ایمان، تکذیب و تصدیق اور اقرار و انکار کے درمیان متذبذب رہے گا اور وسوسوں کا شکار، حیران و پریشان، حق سے منحرف اور شک میں ایسا مبتلا ہو گا کہ نہ تصدیق کرنے والا مؤمن بن سکے گا اور نہ ہی انکار کرنے والا منکر!

---

[36]: خود کو شریعت کے حوالے کرنا اور اپنی عقل و قیاس آرائیوں سے دین کا مقابلہ نہ کرنا ہی دین پر ثابت قدمی کا ذریعہ ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿فَلَا وَرَبِّكَ لَا يُؤْمِنُونَ حَتّٰى يُحَكِّمُوكَ فِيمَا شَجَرَ بَيْنَهُمْ ثُمَّ لَا يَجِدُوا فِيٓ أَنْفُسِهِمْ حَرَجًا مِّمَّا قَضَيْتَ وَيُسَلِّمُوا تَسْلِيمًا﴾.(النساء:65)

ترجمہ: آپ کے رب کی قسم، یہ لوگ اس وقت تک مؤمن نہیں ہو سکتے جب تک یہ اپنے آپس کے جھگڑوں میں آپ کو فیصل نہ بنالیں پھر یہ لوگ آپ کے فیصلے کے بارے میں تنگ دلی محسوس نہ کریں اور اس کے آگے مکمل طور سر تسلیم خم کر دیں۔

[37]: وَلَا يَصِحُّ الْإِيمَانُ بِالرُّؤْيَةِ لِأَهْلِ دَارِ السَّلَامِ لِمَنِ اعْتَبَرَهَا مِنْهُمْ بِوَهْمٍ أَوْ تَأَوَّلَهَا بِفَهْمٍ إِذْ كَانَ تَأْوِيلُ الرُّؤْيَةِ وَتَأْوِيلُ كُلِّ مَعْنًى يُضَافُ إِلَى الرُّبُوبِيَّةِ بِتَرْكِ التَّأْوِيلِ وَلُزُومِ التَّسْلِيمِ وَعَلَيْهِ دِينُ الْمُرْسَلِينَ وَشَرَائِعُ النَّبِيِّينَ والْمُسْلِمِينَ وَمَنْ لَمْ يَتَوَقَّ النَّفْيَ وَالتَّشْبِيهَ زَلَّ وَلَمْ يُصِبِ التَّنْزِيهَ فَإِنَّ رَبَّنَا جَلَّ وَعَلَا مَوْصُوفٌ بِصِفَاتِ الْوَحْدَانِيَّةِ مَنْعُوتٌ بِنُعُوتِ الْفَرْدَانِيَّةِ لَيْسَ فِي مَعْنَاهُ أَحَدٌ مِنَ الْبَرِيَّةِ.

ترجمہ: اہلِ جنت کے لیے دیدارِ باری تعالیٰ کے عقیدہ پر اس شخص کا ایمان درست نہیں جو جنتیوں کے لیے ایسے دیدار کا قائل ہو جس کی بنیاد وہم پر ہے یا ایسے دیدار کا قائل ہو جس کا معنی اس نے اپنے فہم سے کیا ہے۔ اس لیے کہ دیدارِ باری تعالیٰ کے متعلق اور ہر اس صفت کے متعلق جو اللہ تعالیٰ کی طرف منسوب ہو اصل عقیدہ یہی ہے کہ ان کی تاویل (یعنی اپنی طرف سے معانی اور کیفیات کی تعیین) نہ کی جائے بلکہ من و عن تسلیم کیا جائے۔ یہی موقف رسل علیہم السلام کے دین اور انبیاء علیہم السلام اور مسلمانوں کی شریعت کے عین مطابق ہے اور جو شخص نفی و تشبیہ سے نہ بچ سکا تو وہ (صراط مستقیم) سے پھسل گیا اور تنزیہ کا عقیدہ نہ پا سکا، اس لیے کہ ہمارا رب صفتِ وحدانیت کے ساتھ موصوف اور وصفِ فردانیت کے ساتھ متصف ہے (یعنی ذات میں اکیلا اور صفات میں یکتا ہے) اللہ تعالیٰ کی صفات مخلوق کی صفات کی طرح نہیں ہیں۔

---

[37]: اہل جنت کو جنت میں اللہ تعالیٰ کا دیدار نصیب ہو گا اس عقیدہ پر ایمان اس صورت میں درست سمجھا جائے گا جب دیدار کا تو اعتقاد رکھا جائے لیکن اس میں اپنے وہم وخیال کو دخل نہ دیا جائے اور نہ ہی اپنے فہم سے اس دیدار کی تاویل کی جائے۔

تنزیہ باری تعالیٰ

[38]: وَتَعَالٰی عَنِ الْحُدُوْدِ وَالْغَایَاتِ وَالْأَرْکَانِ وَالْأَعْضَاءِ وَالْأَدَوَاتِ لَا تَحْوِیْهِ الْجِهَاتُ السِّتُّ کَسَائِرِ الْمُبْتَدَعَاتِ.

ترجمہ: اللہ تعالیٰ کناروں، انتہاؤں، اجزاء، جسمانی اعضاء اور آلات و اسباب سے پاک ہے، جہاتِ ستہ اسے گھیر نہیں سکتیں جس طرح تمام مخلوقات کو گھیرے ہوئے ہیں۔

معراج

[39]: وَالْمِعْرَاجُ حَقٌّ وَقَدْ أُسْرِیَ بِالنَّبِیِّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ وَعُرِجَ بِشَخْصِهٖ فِی الْیَقْظَةِ إِلَی السَّمَآءِ ثُمَّ إِلٰی حَیْثُ شَآءَ اللّٰهُ مِنَ الْعُلٰی وَأَکْرَمَهُ اللّٰهُ بِمَا شَآءَ وَأَوْحٰی إِلَیْهِ مَا أَوْحٰی ﴿مَا کَذَبَ الْفُؤَادُ مَا رَاٰی﴾ فَصَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ فِی الْآخِرَةِ وَالْأُوْلٰی.

ترجمہ: معراج برحق ہے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو رات کے وقت (مسجد حرام سے مسجد اقصیٰ تک) لے جایا گیا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے جسم مبارک کو بیداری کی

اس کی وجہ یہ ہے کہ دیدار باری تعالیٰ اور اللہ تعالیٰ کی صفات کے بارے میں اصل اعتقاد یہی ہے کہ اس میں تاویل کیے بغیر من وعن سلیم کیا جائے۔ اس لیے اسی پر کار بند رہنا چاہیے۔

[38]: جسم کی انتہاء کا نام سطح ہے، سطح کی انتہاء کا نام خط ہے اور خط کی انتہاء کا نام نقطہ ہے۔ یہ جسم کے متعلقات ہیں اور اللہ تعالیٰ جسم سے پاک ہے، اس لیے حدود، کناروں، اعضاء وغیرہ سے بھی پاک ہے۔

[39]: معراج آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا اعزاز بھی ہے اور اعجاز بھی ہے۔ اعزاز اس

حالت میں آسمانوں تک لے جایا گیا، پھر وہاں سے بلندیوں کی طرف جہاں تک اللہ تعالیٰ نے چاہا آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو پہنچایا گیا۔ اللہ تعالیٰ نے اپنی چاہت کے مطابق آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو عزت بخشی اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف جو وحی فرمانا چاہی، وہ وحی فرمائی۔ جو کچھ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے دیکھا دل نے اسے نہیں جھٹلایا۔ اللہ تعالیٰ آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر آخرت اور دنیا میں رحمتیں نازل فرمائے۔

لیے ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اللہ تعالیٰ کے بعد کائنات کی سب سے بڑی ہستی ہیں اور ابو جہل اس کائنات کا سب سے گھٹیا انسان ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اتنا بڑا ہونے کے باوجود کائنات کے سب سے چھوٹے شخص کی زیادتی کو اللہ تعالیٰ کے لیے برداشت کیا ہے، اس لیے اللہ تعالیٰ نے اس قربانی کا بدلہ یہ دیا کہ عرش جس کے اوپر کوئی اور مکان نہیں، تک لے جا کر آپ کو عزت دی ہے۔ یہ اعزاز ہے۔

معراج؛ اعجاز بھی ہے کہ یہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ایسی نشانی ہے جس نے دوسروں کو اس کی نظیر پیش کرنے سے عاجز کر دیا ہے۔

سفر معراج نبوت کے گیارھویں سال میں ہوا۔ راجح قول کے مطابق رجب کی 27ویں تاریخ تھی۔ یہ سفر دو حصوں پر مشتمل ہے:

1: مسجد حرام سے مسجد اقصیٰ تک، اسے "اسراء" کہتے ہیں۔

2: بیت المقدس سے لے کر ملأ اعلیٰ تک، اسے "معراج" کہتے ہیں۔

پہلے حصے کا ذکر قرآن مجید میں ہے (سورۃ الاسراء: 1) اور دوسرے حصے کا ذکر احادیث متواترہ میں ہے۔ مسجد حرام سے مسجد اقصیٰ تک کا سفر براق کے ذریعے ہوا اور بیت المقدس سے آگے تک کا سفر سیڑھی کے ذریعے ہوا۔

اس سفر کا آغاز یوں ہوا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم حضرت ام ہانی کے گھر

....

آرام فرما رہے تھے کہ یکایک چھت پھٹی اور حضرت جبرائیل علیہ السلام تشریف لائے۔ آپ کو جگایا اور مسجد حرام کی طرف لے گئے۔ وہاں جا کر آپ صلی اللہ علیہ وسلم حطیم کعبہ میں لیٹے اور سو گئے۔ حضرت جبرائیل علیہ السلام نے آپ کو بیدار کیا اور زمزم کے کنویں پر لے گئے۔ وہاں لٹا کر آپ کے سینہ کو چاک کیا اور قلب مبارک کو نکالا اور زمزم کے پانی سے دھویا۔ ایک سونے کا تشت لایا گیا جس میں ایمان و حکمت بھرا ہوا تھا۔ اس ایمان و حکمت سے آپ کے سینے کو بھر دیا گیا اور سینہ کو سی دیا گیا۔ بعد ازاں براق لایا گیا اور آپ کو اس پر سوار کیا گیا۔ براق پر سفر شروع ہوا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم بیت اللہ سے بیت المقدس پہنچے۔ اس دوران آپ صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ منورہ، مدین، طور سیناء اور بیت اللحم اترے اور جبرائیل امین علیہ السلام کے کہنے پر ان مقامات میں دو دو رکعت نماز ادا فرمائی۔

اس زمینی سفر میں کئی واقعات پیش آئے۔ صحیح مسلم میں حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: معراج کی رات میرا گزر حضرت موسیٰ علیہ السلام پر ہوا، میں نے دیکھا کہ وہ اپنی قبر میں کھڑے ہو کر نماز پڑھ رہے تھے۔ اسی راستہ میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا گزر ایسی قوم پر ہوا جن کے ناخن تانبے کے تھے اور وہ ان ناخنوں کے ساتھ اپنے چہروں اور سینوں کو چھیل رہے تھے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت جبرائیل سے پوچھا کہ یہ کون ہیں؟ انہوں نے جواب دیا کہ یہ غیبت کرنے والے لوگ ہیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک شخص کو دیکھا جو نہر میں تیر رہا تھا اور پتھروں کو لقمہ بنا بنا کر کھا رہا تھا۔ پوچھنے پر حضرت جبرائیل امین نے بتایا کہ یہ سود خور ہے۔ غرض اس طرح کے کئی واقعات پیش آئے۔

....

بیت المقدس پہنچنے پر دو رکعت تحیۃ المسجد پڑھی۔ تمام انبیاء علیہم السلام پہلے ہی سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے انتظار میں موجود تھے۔ ایک مؤذن نے اذان دی، پھر اقامت کہی۔ تمام انبیاء علیہم السلام صف باندھ کر انتظار میں کھڑے تھے کہ کون امامت کرے گا؟! حضرت جبرائیل امین نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا ہاتھ پکڑ کر آگے بڑھایا۔ تمام انبیاء علیہم السلام نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی اقتداء میں نماز ادا کی۔ انبیاء علیہم السلام کی یہ نماز روح مع الجسد تھی۔

اس کے بعد حضرت جبرائیل اور دیگر ملائکہ کے ہمراہ آسمانوں کی طرف عروج فرمایا۔ آسمانوں پر مختلف انبیاء علیہم السلام سے ملاقات ہوئی۔ پہلے آسمان پر حضرت آدم علیہ السلام، دوسرے آسمان پر حضرت عیسیٰ علیہ السلام، تیسرے آسمان پر حضرت یوسف علیہ السلام، چوتھے آسمان پر حضرت ادریس علیہ السلام، پانچویں آسمان پر حضرت ہارون علیہ السلام، چھٹے آسمان پر حضرت موسیٰ علیہ السلام اور ساتویں آسمان پر حضرت ابراہیم علیہ السلام سے ملاقات ہوئی۔ بعد ازاں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو سدرۃ المنتہیٰ کی طرف لے جایا گیا جو ساتویں آسمان پر ایک بیری کا درخت ہے۔ زمین سے جو چیز اوپر جاتی ہے وہ سدرۃ المنتہیٰ پر جا کر رک جاتی ہے پھر وہاں سے اوپر اٹھائی جاتی ہے اور ملأ اعلیٰ سے جو چیز اترتی ہے وہ سدرۃ المنتہیٰ پر آکر ٹھہر جاتی ہے، پھر وہاں سے نیچے اترتی ہے۔ اس مقام پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت جبرائیل امین کو ان کی اصلی صورت میں دیکھا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حق جل مجدہ کے عجیب وغریب انوارات و تجلیات کا مشاہدہ کیا اور بے شمار فرشتے اور سونے کے پتنگے دیکھے جو سدرۃ المنتہیٰ کو گھیرے ہوئے تھے۔ سدرۃ المنتہی کے بعد آپ کو جنت

....

اور جہنم دکھائی گئی۔ اس کے بعد مقام صریف الاقلام پر پہنچے۔ لکھنے کے وقت قلم کی جو آواز پیدا ہوتی ہے اسے صریف الاقلام کہتے ہیں۔ ملائکہ امور الٰہیہ کی کتابت کر رہے تھے اور احکام خداوندی کو لوحِ محفوظ سے نقل کر رہے تھے۔

مقامِ صریف الاقلام سے آگے چل کر حجاب طے کرتے ہوئے بارگاہِ قدس میں پہنچے، یہاں دیدار خداوندی اور بلا واسطہ ہمکلامی کا شرف حاصل ہوا۔ یہ زیارت آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی آنکھوں سے کی ہے۔ اس موقع پر اللہ تعالیٰ نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو تین چیزیں تحفہ دیں؛ (۱) پانچ وقت کی نمازیں، (۲) خواتیم سورۃ البقرۃ یعنی سورۃ البقرہ کی آخری آیتوں کا مضمون اور (۳) یہ کہ آپ کی امت میں سے جو شخص اللہ تعالیٰ کے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھہرائے تو اللہ تعالیٰ اس کے کبیرہ گناہوں سے درگزر فرمائے گا یعنی کبیرہ گناہوں کے مرتکب کو کفار کی طرح ہمیشہ ہمیشہ کے لیے جہنم میں نہ ڈالے گا بلکہ اپنے فضل وکرم سے سزا دیے بغیر یا قانونِ عدل سے سزا دے کر جنت میں داخل فرمادے گا۔

اس کے بعد آسمانوں سے واپسی ہوئی۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اولاً بیت المقدس میں اترے۔ وہاں سے براق پر سوار ہو کر صبح ہونے سے پہلے ہی مکہ پہنچ گئے۔ صبح آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے جب یہ واقعہ قریش کے سامنے بیان کیا تو لوگ حیران ہو گئے، بعض نے تالیاں بجائیں اور ازراہِ تعجب کہا کہ ایک رات میں اتنا لمبا سفر کیسے طے ہو سکتا ہے؟! جن لوگوں نے بیت المقدس دیکھا ہوا تھا تو وہ اس کے متعلق سوال کرنے لگے۔ اللہ تعالیٰ نے حجابات اٹھا کر بیت المقدس کو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی نظروں کے سامنے کر دیا اور آپ نے ان لوگوں کے سوالات کے صحیح صحیح جوابات دیے۔

حوض کوثر

[40]: وَالْحَوْضُ الَّذِیْ أَکْرَمَهُ اللهُ تَعَالٰی بِهٖ غِیَاثًا لِأُمَّتِهٖ حَقٌّ.

ترجمہ: اور وہ حوض جو اللہ تعالیٰ نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو دے کر اعزاز عطا فرمایا تاکہ آپ کی امت اس سے سیراب ہو، برحق ہے۔

---

[40]: اس حوض سے مراد حوض کوثر ہے۔ "کوثر" جنت میں ایک نہر کا نام ہے۔ اس نہر سے دو پرنالے اس تالاب میں گرتے ہیں۔ اس حوض کی لمبائی ایک مہینے کی مسافت کے برابر ہے۔ اس کا پانی دودھ سے زیادہ سفید اور شہد سے زیادہ میٹھا ہے۔ اس حوض پر پانی پینے کے برتنوں کی تعداد ستاروں کی تعداد سے بھی زیادہ ہو گی۔ بدعتی آدمی وہاں سے پانی نہیں پی سکے گا۔

☼ عَنْ أَبِیْ ذَرٍّ رَضِیَ اللهُ عَنْهُ قَالَ: قُلْتُ: یَا رَسُوْلَ اللهِ! مَا آنِیَةُ الْحَوْضِ؟ قَالَ: وَالَّذِیْ نَفْسُ مُحَمَّدٍ بِیَدِهٖ لَآنِیَتُهٗ أَکْثَرُ مِنْ عَدَدِ نُجُوْمِ السَّمَآءِ وَکَوَاکِبِهَا أَلَا فِی اللَّیْلَةِ الْمُظْلِمَةِ الْمُصْحِیَةِ آنِیَةُ الْجَنَّةِ مَنْ شَرِبَ مِنْهَا لَمْ یَظْمَأْ آخِرَ مَا عَلَیْهِ یَشْخَبُ فِیْهِ مِیْزَابَانِ مِنَ الْجَنَّةِ مَنْ شَرِبَ مِنْهُ لَمْ یَظْمَأْ عَرْضُهٗ مِثْلُ طُوْلِهٖ مَا بَیْنَ عَمَّانَ إِلٰی أَیْلَةَ مَاؤُهٗ أَشَدُّ بَیَاضًا مِنَ اللَّبَنِ وَأَحْلٰی مِنَ الْعَسَلِ.

(صحیح مسلم: ج2 ص 251 کتاب الفضائل، باب اثبات حوض نبینا صلی اللہ علیہ وسلم)

ترجمہ: حضرت ابو ذر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے۔ فرماتے ہیں کہ میں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں عرض کیا: اے اللہ کے رسول! حوض کوثر کے برتنوں کی تعداد کیا ہے؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: اس ذات کی قسم جس کے قبضہ قدرت میں مجھ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کی جان ہے، اس حوضِ کوثر کے برتنوں کی تعداد آسمان کے ستاروں اور سیاروں کی تعداد سے بھی زیادہ ہے اور ستارے بھی وہ

....

ہوں جو ایسی کالی سیاہ رات میں ہوں جس میں بادل وغیرہ نہ ہو (یعنی گھٹاٹوپ رات میں چونکہ ستارے زیادہ واضح نظر آتے ہیں تو برتنوں کی تعداد ان سے بھی زیادہ ہو گی) جو شخص اس حوض سے ایک بار پانی پی لے گا تو اسے کبھی پیاس نہیں ستائے گی۔ اس حوض میں جنت کے دو پرنالے گرتے ہیں۔ جو شخص اس حوض سے پانی پی لے گا تو وہ کبھی پیاسا نہیں ہو گا۔ اس حوض کی لمبائی اس کی چوڑائی کے برابر ہے یعنی جتنا عمان سے لے کر ایلہ تک کا درمیانی فاصلہ ہے۔ نیز اس حوض کا پانی دودھ سے زیادہ سفید اور شہد سے زیادہ میٹھا ہے۔

☆ عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُ عَنِ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: "أَنَا فَرَطُكُمْ عَلَى الْحَوْضِ وَلَيُرْفَعَنَّ مَعِيْ رِجَالٌ مِنْكُمْ ثُمَّ لَيُخْتَلَجُنَّ دُوْنِيْ فَأَقُوْلُ يَا رَبِّ! أَصْحَابِيْ فَيُقَالُ إِنَّكَ لَا تَدْرِيْ مَا أَحْدَثُوْا بَعْدَكَ".

(صحیح البخاری: ج2 ص973 کتاب فی الحوض باب قول اللہ انا اعطینٰك الکوثر)

ترجمہ: حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: میں حوض کوثر پر تمہارا منتظر رہوں گا۔ کچھ لوگ میرے سامنے آئیں گے پھر انہیں مجھ سے دور کر دیا جائے گا تو میں کہوں گا: اے میرے رب! یہ تو میری امت کے لوگ ہیں۔ تو مجھ سے کہا جائے گا کہ آپ کو پتہ نہیں کہ انہوں نے آپ کے بعد کیا کیا بدعات گھڑی تھیں۔

اس لیے انسان کو چاہیے کہ سنت پر عمل پیرا رہے اور بدعات سے اجتناب کرتا رہے تاکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے حوض کوثر سے سیراب ہونے کا شرف حاصل ہو سکے۔

شفاعت

[41]: وَالشَّفَاعَةُ الَّتِیْ ادَّخَرَهَا اللهُ لَهُمْ حَقٌّ كَمَا رُوِیَ فِی الْأَخْبَارِ.

ترجمہ: اور وہ شفاعت جو اللہ تعالیٰ نے ان کے لیے آخرت میں ذخیرہ کر رکھی ہے، برحق ہے جیسا کہ احادیث میں آیا ہے۔

---

[41]: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جو شفاعت فرمائیں گے وہ سات قسم کی ہے:

1: شفاعت کبریٰ: یہ تمام لوگوں کے لیے ہوگی۔ یہ شفاعت اس وقت ہوگی جب حساب کتاب کے انتظار کا ہیبت ناک منظر ہوگا اور لوگ بہت پریشان ہوں گے۔ چنانچہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سفارش فرمائیں گے تو حساب کتاب شروع ہو جائے گا۔

2: بلا حساب کتاب جنت میں داخلے کی شفاعت۔

3: بعض جنتیوں کے درجات کی بلندی کی شفاعت۔

4: جن کی نیکیاں اور گناہ برابر ہوں گے ان کے جنت میں داخلے کی شفاعت۔

5: کبیرہ گناہوں کے مرتکبین کی شفاعت۔

6: جن کے بارے میں جہنم کا فیصلہ ہو چکا ہوگا ان کے لیے جنت میں داخلہ کی شفاعت۔

7: جو عذاب کے مستحق ہو چکے ان کے عذاب میں تخفیف کی شفاعت۔

اس کے علاوہ انبیاء علیہم السلام، علماء، شہداء، حفاظ قرآن، نابالغ بچے، قرآن، روزہ وغیرہ بھی شفاعت کریں گے۔

☼ عَنْ عُثْمَانَ بْنِ عَفَّانَ رَضِیَ اللهُ عَنْهُ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ

....

عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: يَشْفَعُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ ثَلَاثَةٌ: أَلْأَنْبِيَاءُ ثُمَّ الْعُلَمَاءُ ثُمَّ الشُّهَدَاءُ.

(سنن ابن ماجۃ: ص330 کتاب الزھد باب ذکر الشفاعۃ)

ترجمہ: حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: قیامت کے دن تین گروہ شفاعت کریں گے؛ انبیاء، علماء اور پھر شہداء۔

☼ عَنْ عَلِيِّ بْنِ أَبِيْ طَالِبٍ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: "مَنْ قَرَأَ الْقُرْآنَ وَاسْتَظْهَرَهُ فَأَحَلَّ حَلَالَهُ وَحَرَّمَ حَرَامَهُ أَدْخَلَهُ اللهُ بِهِ الْجَنَّةَ وَشَفَّعَهُ فِيْ عَشْرَةٍ مِنْ أَهْلِ بَيْتِهِ كُلُّهُمْ قَدْ وَجَبَتْ لَهُ النَّارُ".

(سنن الترمذی: ج2 ص118 کتاب باب ماجاء فی فضل قاریٔ القرآن)

ترجمہ: حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جس شخص نے قرآن مجید کو پڑھا اور اس کو حفظ کیا، اس کے حلال کو حلال جانا اور اس کے حرام کو حرام جانا تو اللہ تعالیٰ اس شخص کو جنت میں داخل فرما دیں گے اور اس کے گھرانے میں سے ایسے دس آدمیوں کے بارے میں اس (حافظ قرآن) کی سفارش کو قبول فرمائیں گے جن کے لیے جہنم واجب ہو چکی ہو گی۔

☼ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ أَنَّهُ سَمِعَ رَسُوْلَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ: "مَنْ كَانَ لَهُ فَرَطَانِ مِنْ أُمَّتِيْ أَدْخَلَهُ اللهُ بِهِمَا الْجَنَّةَ". فَقَالَتْ عَائِشَةُ رَضِيَ اللهُ عَنْهَا: فَمَنْ كَانَ لَهُ فَرَطٌ مِنْ أُمَّتِكَ؟ قَالَ: "وَمَنْ كَانَ لَهُ فَرَطٌ يَا مُوَفَّقَةُ!" قَالَتْ: فَمَنْ لَمْ يَكُنْ لَهُ فَرَطٌ مِنْ أُمَّتِكَ؟ قَالَ: "فَأَنَا فَرَطُ أُمَّتِيْ لَنْ يُصَابُوْا بِمِثْلِيْ.

(سنن الترمذی: ج1 ص204 ابواب الجنائز باب ماجاء فی ثواب من قدم ولدا)

ترجمہ: حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ انہوں نے رسول اللہ صلی

....

اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا: میری امت میں سے جس شخص کے دو پیش رَو ہو گئے (یعنی دو بچے بچپن میں ہی فوت ہو گئے) تو اللہ تعالیٰ ان کی بدولت اس شخص کو جنت میں داخل فرمائیں گے۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے عرض کیا: آپ کی امت میں سے جس کا ایک پیش رَو ہو تو؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اے نیک خاتون! اس کو وہ ایک پیش رو ہی جنت میں لے جائے گا۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہ نے پھر عرض کیا: جس شخص کا کوئی پیش رَو نہ ہو؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جس کا کوئی پیش رَو نہیں ہو گا تو اس کا پیش رو میں ہوں گا کیونکہ میری امت کو میری جدائی سے بڑھ کر کوئی رنج اور صدمہ نہیں پہنچا۔

☼ عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ عَمْرٍو اَنَّ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: اَلصِّيَامُ وَالْقُرْآنُ يَشْفَعَانِ لِلْعَبْدِ يَوْمَ الْقِيَامَةِ يَقُولُ الصِّيَامُ اَیْ رَبِّ مَنَعْتُهُ الطَّعَامَ وَالشَّهَوَاتِ بِالنَّهَارِ فَشَفِّعْنِیْ فِيْهِ وَيَقُوْلُ الْقُرْآنُ مَنَعْتُهُ النَّوْمَ بِاللَّيْلِ فَشَفِّعْنِیْ فِيْهِ قَالَ: فَيُشَفَّعَانِ.

(مسند احمد: ج6 ص188 رقم الحدیث 6626 مسند عبد اللہ بن عمرو بن العاص)

ترجمہ: حضرت عبد اللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: روزہ اور قرآن قیامت کے دن بندے کی سفارش کریں گے۔ روزہ کہے گا کہ اے رب! میں نے اس بندے کو دن کے وقت کھانے پینے اور خواہشات سے روکا ہے، اس لیے اس کے حق میں میری شفاعت کو قبول فرما، اور قرآن کہے گا کہ میں نے اسے رات کے وقت نیند سے روکے رکھا، اس لیے اس کے حق میں میری شفاعت قبول فرما۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ان دونوں کی سفارش قبول کی جائے گی۔

وعدۂ اَلَسْت

[42]: وَالْمِيْثَاقُ الَّذِيْ أَخَذَهُ اللهُ تَعَالٰى مِنْ آدَمَ وَذُرِّيَّتِهٖ حَقٌّ.

ترجمہ: اور وہ عہد جو اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام اور ان کی اولاد سے لیا تھا، برحق ہے۔

---

[42]: یہ عہد "وعدۂ اَلَسْت" کہلاتا ہے جو عالم ارواح میں اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم اور ان کی اولاد سے لیا تھا۔ اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام کی پشت سے ان کی ساری اولاد کو چھوٹی چھوٹی چیونیٹوں کی طرح نکالا جو قیامت تک پیدا ہونے والی تھی، پھر ان میں ارواح ڈالیں اور ان سے عہد لے کر اپنے رب ہونے کا اعتراف کروایا۔ اس عہد لینے کی تشریح حدیث میں موجود ہے۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

أَخَذَ اللهُ الْمِيْثَاقَ مِنْ ظَهْرِ آدَمَ بِنَعْمَانَ يَعْنِيْ عَرَفَةَ فَأَخْرَجَ مِنْ صُلْبِهٖ كُلَّ ذُرِّيَّةٍ ذَرَأَهَا فَنَثَرَهُمْ بَيْنَ يَدَيْهِ كَالذَّرِّ ثُمَّ كَلَّمَهُمْ قِبَلًا قَالَ ﴿اَلَسْتُ بِرَبِّكُمْ قَالُوْا بَلٰى شَهِدْنَا اَنْ تَقُوْلُوْا يَوْمَ الْقِيٰمَةِ اِنَّا كُنَّا عَنْ هٰذَا غٰفِلِيْنَ﴾

(مسند احمد: ج3 ص117 رقم الحدیث 2455)

ترجمہ: اللہ تعالیٰ نے میدان عرفہ کی وادی نعمان میں آدم علیہ السلام کی اولاد سے عہد لیا تھا۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام کی پشت سے آپ کی (قیامت تک کی) ساری اولاد کو نکالا اور اپنے سامنے ایک جگہ اس طرح جمع فرمایا کہ وہ سب چیونٹیوں کے برابر جسم رکھتے تھے۔ پھر ان سے یہ عہد لیا اور فرمایا: کیا میں تمہارا رب نہیں ہوں؟ سب نے جواب دیا کہ کیوں نہیں؟ ہم سب اس بات کی گواہی دیتے ہیں (یہ اقرار ہم نے اس لیے لیا تھا) تاکہ تم قیامت کے دن یہ نہ کہہ سکو کہ ہمیں تو اس بات کا پتا ہی نہیں تھا۔

علمِ الٰہی

[43]: وَقَدْ عَلِمَ اللّٰهُ تَعَالٰى فِيمَا لَمْ يَزَلْ عَدَدَ مَنْ يَدْخُلُ الْجَنَّةَ وَعَدَدَ مَنْ يَدْخُلُ النَّارَ جُمْلَةً وَاحِدَةً فَلَا يُزَادُ فِيْ ذٰلِكَ الْعَدَدِ وَلَا يَنْقُصُ مِنْهُ.

ترجمہ: اور اللہ تعالیٰ کو ازل سے ہی ان لوگوں کی تعداد کا علم ہے جنہوں میں جنت میں جانا ہے اور ان لوگوں کی تعداد کا بھی علم ہے جو جہنم رسید ہوں گے۔ جو تعداد اللہ تعالیٰ کے علم میں ہے اس میں نہ کوئی اضافہ ہو گا اور نہ ہی کوئی کمی ہو گی۔

[44]: وَكَذٰلِكَ أَفْعَالَهُمْ فِيمَا عَلِمَ مِنْهُمْ أَنْ يَفْعَلُوْهُ وَكُلٌّ مُيَسَّرٌ لِمَا خُلِقَ لَهُ وَالْأَعْمَالُ بِالْخَوَاتِيْمِ وَالسَّعِيْدُ مَنْ سَعِدَ بِقَضَاءِ اللّٰهِ تَعَالٰى وَالشَّقِيُّ مَنْ شَقِيَ بِقَضَاءِ اللّٰهِ تَعَالٰى.

ترجمہ: اور اسی طرح اللہ تعالیٰ کو یہ بھی معلوم ہے کہ ان لوگوں نے آئندہ کیا کرنا ہے، سب کے لیے وہ کام آسان کر دیے گئے ہیں جن کے لیے وہ پیدا ہوئے ہیں۔ اعمال کا دار و مدار خاتمے پر ہے۔ نیک بخت وہ ہے جو اللہ تعالیٰ کی تقدیر کے مطابق نیک بخت لکھا جا چکا ہے اور بد بخت وہ ہے جو اللہ تعالیٰ کی تقدیر کے مطابق بد بخت لکھا جا چکا ہے۔

---

[43]: یعنی یہ بات اللہ تعالیٰ کے علم میں ہے کہ کون اپنے اختیار سے نیک عمل کرے گا اور جنت جائے گا اور کون اپنے اختیار سے برے اعمال کرے گا اور جہنم میں جائے گا۔ اہل جنت اور اہل جہنم کی جو تعداد اللہ تعالیٰ کے علم میں ہے اس میں نہ کمی ہو سکتی ہے اور نہ زیادتی۔

[44]: اللہ تعالیٰ کے علم ازلی میں ہے کہ ان لوگوں نے پیدا ہونے کے بعد فلاں کام کرنے ہیں اس لیے اللہ تعالیٰ نے ہر شخص کے لیے اس کے اعمال اور افعال آسان کر

....

دیے اور انہیں اسباب مہیا فرما دیے۔ جس شخص کے بارے میں علم تھا کہ اس نے جنت والے اعمال کرنے ہیں تو اس کو نیک اعمال کرنے کے اسباب مہیا کئے گئے اور جس کے بارے میں علم تھا کہ اس نے جہنم والے اعمال کرنے ہیں تو اس کو برے اعمال کرنے کے اسباب آسان کئے گئے۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

اِعْمَلُوْا فَكُلٌّ مُيَسَّرٌ لِمَا خُلِقَ لَهٗ.

(صحیح البخاری: ج2 ص738 کتاب التفسیر باب تفسیر سورۃ اللیل)

ترجمہ: تم عمل کرتے رہو کیونکہ ہر شخص کے لیے ان کاموں کو آسان کر دیا گیا ہے جس کے لیے وہ پیدا ہوا ہے۔

کامیابی وناکامی کا مدار خاتمہ پر ہے۔ اس لیے کہ ایک آدمی ساری زندگی نیک کام کرتا ہے لیکن آخری عمر میں کوئی ایسا گناہ کرلیتا ہے جس کی وجہ سے جہنم چلا جاتا ہے اور ایک آدمی ساری عمر برے کام کرتا ہے لیکن عمر کے آخری حصہ میں کوئی نیک کام ایسا کرتا ہے جس کی وجہ سے جنت میں چلا جاتا ہے۔ اس لیے ظاہر اعمال دیکھ کر کسی شخص کے نیک بخت اور بد بخت ہونے کا فیصلہ نہیں کیا جا سکتا بلکہ نیک بخت اور بد بخت وہی ہو گا جو اللہ کی قضا کے مطابق نیک بخت یا بد بخت لکھا جا چکا ہو یعنی بندے کا خاتمہ نیک اعمال پر ہو گا تو اللہ تعالیٰ نے اسے نیک بخت لکھ دیا، اگر اس کا خاتمہ برے اعمال پر ہو گا تو اللہ تعالیٰ نے اسے بد بخت لکھ دیا۔ تو ظاہری اعمال پر نہیں بلکہ قضائے الٰہی کے مطابق ہی بندے کی نیک بختی یا بد بختی کا فیصلہ ہو گا۔

تقدیر

[45]: وَأَصْلُ الْقَدَرِ سِرُّ اللهِ تَعَالٰى فِي خَلْقِهِ لَمْ يَطَّلِعْ عَلٰى ذٰلِكَ مَلَكٌ مُقَرَّبٌ وَلَا نَبِيٌّ مُرْسَلٌ وَالتَّعَمُّقُ وَالنَّظَرُ فِيْ ذٰلِكَ ذَرِيْعَةُ الْخِذْلَانِ وَسُلَّمُ الْحِرْمَانِ وَدَرَجَةُ الطُّغْيَانِ فَالْحَذَرَ كُلَّ الْحَذَرِ مِنْ ذٰلِكَ نَظَرًا وَفِكْرًا وَوَسْوَسَةً فَإِنَّ اللهَ تَعَالٰى طَوٰى عِلْمَ الْقَدَرِ عَنْ أَنَامِهٖ وَنَهَاهُمْ عَنْ مَرَامِهٖ كَمَا قَالَ تَعَالٰى فِيْ كِتَابِهٖ: ﴿لَا يُسْئَلُ عَمَّا يَفْعَلُ وَهُمْ يُسْئَلُوْنَ﴾ فَمَنْ سَأَلَ: "لِمَ فَعَلَ؟" فَقَدْ رَدَّ حُكْمَ الْكِتَابِ وَمَنْ رَدَّ حُكْمَ الْكِتَابِ كَانَ مِنَ الْكَافِرِيْنَ.

ترجمہ: مخلوق کے بارے میں تقدیر دراصل اللہ کا ایک راز ہے جس کا علم نہ کسی مقرب فرشتے کو ہے اور نہ پیغمبر ورسول کو۔ تقدیر کے معاملات میں غور وفکر اور سوچ وبچار کرنا رسوائی کا سبب، محرومی کا زینہ اور سرکشی کا (پہلا) درجہ ہے۔ اس لیے تقدیر کے بارے میں غور وفکر کرنے اور خیال ووہم سے کام لینے سے بالکل بچنا چاہیے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے تقدیر کا علم بندوں سے مخفی رکھا ہے اور لوگوں کو اس کے حصول سے بھی منع فرمادیا ہے۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ اپنی کتاب میں فرماتے ہیں: اللہ تعالیٰ جو کرے اس بارے میں اس سے نہیں پوچھا جاتا اور بندوں سے ان کے کیے کے بارے میں پوچھا جائے گا۔ اس لیے جو شخص یہ پوچھے کہ اللہ تعالیٰ نے ایسا کیوں کیا؟ تو اس نے کتاب اللہ کے اس حکم کو نہیں مانا اور جو حکم قرآنی کو نہ مانے وہ کافر ہے۔

---

[45]: تقدیر پر یقین کامل رکھنے والے شخص کو کم از کم چار فوائد ضرور حاصل ہوتے ہیں:

1: اس شخص کے لیے مصیبت پر صبر کرنا آسان ہو جاتا ہے۔

[46]: فَهٰذَا جُمْلَةُ مَا يَحْتَاجُ إِلَيْهِ مَنْ هُوَ مُنَوَّرٌ قَلْبُهٗ مِنْ أَوْلِيَآءِ اللّٰهِ تَعَالٰى وَهِيَ دَرَجَةُ الرَّاسِخِيْنَ فِي الْعِلْمِ لِأَنَّ الْعِلْمَ عِلْمَانِ؛ عِلْمٌ فِي الْخَلْقِ مَوْجُوْدٌ وَعِلْمٌ فِي الْخَلْقِ مَفْقُوْدٌ فَإِنْكَارُ الْعِلْمِ الْمَوْجُوْدِ كُفْرٌ وَادِّعَاءُ الْعِلْمِ الْمَفْقُوْدِ كُفْرٌ وَلَا يَثْبُتُ الْإِيْمَانُ إِلَّا بِقُبُوْلِ الْعِلْمِ الْمَوْجُوْدِ وَتَرْكِ طَلَبِ الْعِلْمِ الْمَفْقُوْدِ.

ترجمہ: (تقدیر کے بارے میں) یہ وہ باتیں ہیں جن کی ضرورت اولیاء اللہ میں سے ہر اس شخص کو ہے جس کا دل (نورِ ایمان سے) منور ہو اور یہی راسخین فی العلم کا مقام ہے، کیونکہ علم کی دو قسمیں ہیں: ایک وہ علم ہے جو مخلوق کو دیا گیا ہے اور دوسرا وہ علم ہے جو مخلوق کو نہیں دیا گیا۔ چنانچہ جو علم مخلوق کو دیا گیا ہے اس کا انکار کرنا بھی کفر ہے اور جو علم نہیں دیا گیا اس کا دعویٰ کرنا بھی کفر ہے۔ ایمان اسی صورت میں معتبر ہو گا کہ جو علم دیا گیا ہے اس کا اقرار کیا جائے اور جو علم نہیں دیا گیا اس کے حصول کے پیچھے نہ پڑا جائے۔

2: جائز اسباب اختیار کرتا ہے اور ناجائز اسباب سے اجتناب کرتا ہے کیونکہ اسے یقین ہے کہ جو میرے مقدر میں لکھا گیا ہے وہ مجھے ضرور ملے گا تو ناجائز اسباب کیوں اختیار کروں؟!

3: یہ شخص اپنی خداداد خوبی اور اچھائی پر تکبر نہیں کرتا۔

4: ایسا شخص اسباب جمع تو کرتا ہے لیکن ان پر بھروسہ نہیں کرتا بلکہ بھروسہ مسبب الاسباب پر کرتا ہے۔

[46]: تقدیر چونکہ اللہ تعالیٰ کا راز ہے اس لیے روشن دل اولیاء اللہ اور راسخین فی العلم اس کی کھود کرید نہیں کرتے اور نہ ہی اس راز کو افشا کرنے کی کوشش کرتے ہیں بلکہ اس عقیدہ پر ایمان لا کر اس کے بارے میں بحث و مباحثہ کا دروازہ بند رکھتے ہیں۔

لوح و قلم

[47]: وَنُؤْمِنُ بِاللَّوْحِ وَالْقَلَمِ وَبِجَمِيْعِ مَا فِيْهِ قَدْ رُقِمَ فَلَوِ اجْتَمَعَ الْخَلْقُ كُلُّهُمْ عَلٰى شَيْءٍ كَتَبَهُ اللّٰهُ تَعَالٰى فِيْهِ أَنَّهُ كَائِنٌ لِيَجْعَلُوْهُ غَيْرَ كَائِنٍ لَمْ يَقْدِرُوْا عَلَيْهِ وَلَوِ اجْتَمَعُوْا كُلُّهُمْ عَلٰى شَيْءٍ لَمْ يَكْتُبْهُ اللّٰهُ تَعَالٰى فِيْهِ لِيَجْعَلُوْهُ كَائِنًا لَمْ يَقْدِرُوْا عَلَيْهِ جُفَّ الْقَلَمُ بِمَا هُوَ كَائِنٌ إِلٰى يَوْمِ الْقِيَامَةِ وَمَا أَخْطَأَ الْعَبْدَ لَمْ يَكُنْ لِيُصِيْبَهُ وَمَا أَصَابَهُ لَمْ يَكُنْ لِيُخْطِئَهُ.

ترجمہ: ہم لوح و قلم اور جو کچھ اس (لوح) میں لکھ دیا گیا ہے ان تمام چیزوں پر ایمان رکھتے ہیں۔ اگر تمام مخلوق اس بات پر اکٹھی ہو جائے کہ جو چیز اللہ نے لوح محفوظ میں لکھ دی ہے کہ ہو گی، اسے نہ ہونے دے تو ہر گز ایسا نہیں کر سکتی اور اگر تمام مخلوق اس بات پر اکٹھی ہو جائے کہ جو چیز اللہ تعالیٰ نے نہیں لکھی، اسے ہونے دے تو ہر گز ایسا نہیں کر سکتی۔ قیامت تک ہونے والی چیزوں کو لکھنے کے بعد قلم خشک ہو گیا ہے۔ جو چیز (راحت یا پریشانی) بندے کو نہیں ملتی تو تقدیر میں لکھا تھا کہ وہ اسے نہیں ملے اور جو چیز بندے کو ملتی ہے تو (اس کا ملنا بھی تقدیر میں لکھا ہوتا ہے اس لیے) ایسا نہیں ہو سکتا کہ وہ چیز بندے کو نہ ملے۔

---

[47]: قیامت تک ہونے والے واقعات و حوادث کو لوح محفوظ میں لکھ کر قلم کو خشک کر دیا گیا۔ ساری مخلوق جمع ہو کر لوح محفوظ کے لکھے کی مخالفت کرنا چاہے تو نہیں کر سکتی۔ کیونکہ جب تک قلم میں سیاہی ہو تب تک تو اس قلم کے ذریعے لکھے ہوئے میں تبدیلی ہو سکتی ہے لیکن جب قلم خشک ہو جائے تو پھر اس قلم سے تبدیلی کا امکان بھی نہیں ہوتا۔ اس لیے بندے کے حق میں جو کچھ لکھا گیا ہوا سے ضرور ملے گا۔

[48]: وَعَلَى الْعَبْدِ أَنْ يَعْلَمَ أَنَّ اللهَ قَدْ سَبَقَ عِلْمُهُ فِيْ كُلِّ كَائِنٍ مِنْ خَلْقِهِ فَقَدَّرَ ذٰلِكَ تَقْدِيرًا مُحْكَمًا مُبْرَمًا لَيْسَ فِيهِ نَاقِضٌ وَلَا مُعَقِّبٌ وَلَا مُزِيلٌ وَلَا مُغَيِّرٌ وَلَا زَائِدٌ وَلَا مُحَوِّلٌ وَلَا نَاقِصٌ مِنْ خَلْقِهِ فِيْ سَمَاوَاتِهِ وَأَرْضِهِ وَذٰلِكَ مِنْ عَقْدِ الْإِيْمَانِ وَأُصُوْلِ الْمَعْرِفَةِ وَالْإِعْتِرَافِ بِتَوْحِيْدِ اللهِ تَعَالٰى وَرُبُوبِيَّتِهِ كَمَا قَالَ تَعَالٰى فِيْ كِتَابِهِ: ﴿وَخَلَقَ كُلَّ شَيْءٍ فَقَدَّرَهُ تَقْدِيْرًا﴾ وَقَالَ تَعَالٰى: ﴿وَكَانَ أَمْرُ اللهِ قَدَرًا مَّقْدُوْرًا﴾ فَوَيْلٌ لِمَنْ صَارَ لِلّٰهِ تَعَالٰى فِي الْقَدَرِ خَصِيماً، وَأَحْضَرَ لِلنَّظَرِ فِيْهِ قَلْبًا سَقِيمًا لَقَدِ الْتَمَسَ بِوَهْمِهِ فِيْ فَحْصِ الْغَيْبِ سِرًّا كَتِيمًا وَعَادَ بِمَا قَالَ فِيْهِ أَفَّاكًا أَثِيمًا.

ترجمہ: بندے پر اس بات کا اعتقاد رکھنا لازم ہے کہ اللہ تعالیٰ کی جو بھی مخلوق معرضِ وجود میں آرہی ہے وہ پہلے سے اللہ تعالیٰ کے علم میں ہے، اس لیے اللہ تعالیٰ نے اس (علم) کو مستحکم اور قطعی فیصلہ (تقدیر مبرم) کے طور پر یوں متعین فرما دیا کہ آسمان و زمین کی مخلوقات میں سے کوئی اسے توڑ سکتا ہے نہ ملتوی کر سکتا ہے، ختم کر سکتا ہے نہ تبدیل کر سکتا ہے، اضافہ کر سکتا ہے نہ پلٹ سکتا ہے اور نہ ہی کم کر سکتا ہے۔ یہ (عقیدہ قضاء و قدر) ایمان کی پختگی، معرفت کی بنیاد اور توحید و ربوبیت باری تعالیٰ کے اقرار کے لیے ضروری ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب میں ارشاد فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے تمام چیزوں کو پیدا فرمایا اور ہر ایک کی تقدیر بھی لکھ دی ہے۔ مزید ارشاد باری ہے کہ اللہ تعالیٰ کا حکم ایک قطعی طے شدہ فیصلہ ہوتا ہے۔ لہذا وہ شخص تباہ و برباد ہوگا جو تقدیر کے معاملات میں اللہ تعالیٰ سے جھگڑے اور اس میں غور و فکر کے لیے اپنے بیمار دل (ناقص فہم) سے کام لے۔ کیونکہ اس شخص نے اپنے وہم کے ذریعے غیب کی جستجو میں مخفی راز کو حاصل کرنے کی (ناکام) کوشش کی ہے۔ نتیجۃً یہ شخص عقیدۂ تقدیر کے باب میں اپنی باتوں کی بناء پر جھوٹا اور گنہگار ثابت ہوگا۔

عرش وکرسی

[49]: وَالْعَرْشُ وَالْكُرْسِيُّ حَقٌّ.

ترجمہ: عرش اور کرسی برحق ہیں۔

---

[48]: جب یہ بات معلوم ہو گئی کہ آئندہ کے احوال و حوادث اللہ تعالیٰ نے لوحِ محفوظ میں لکھ دیے ہیں اور انہی کے مطابق ہو گا۔ تو اب انسان کو اس بات پر یقین رکھنا چاہیے کہ دنیا میں جو چیز معرض وجود میں آرہی ہے وہ پہلے سے اللہ تعالیٰ کے علم میں ہے۔ نیز جو چیز اللہ تعالیٰ نے اپنے ازلی علم کے مطابق بطور تقدیر لکھ دی ہے وہ اللہ تعالیٰ کا اٹل اور قطعی فیصلہ ہے جس میں کسی قسم کی کمی زیادتی نہیں ہو سکتی۔ اس لیے کوئی بندہ ان فیصلوں کو ختم یا تبدیل نہیں کر سکتا۔

[49]: ہم عرش اور کرسی کے وجود پر یقین رکھتے ہیں لیکن اس کی حقیقت ہمیں معلوم نہیں۔

☼ ﴿ذُو الْعَرْشِ الْمَجِيْدُ﴾.(البروج:15)

ترجمہ: اللہ تعالیٰ عرش کا مالک اور بزرگی والا ہے۔

☼ ﴿وَيَحْمِلُ عَرْشَ رَبِّكَ فَوْقَهُمْ يَوْمَئِذٍ ثَمَانِيَةٌ﴾.(الحاقۃ:17)

ترجمہ: اس دن تمہارے رب کے عرش کو آٹھ فرشتے اپنے اوپر اٹھائے ہوئے ہوں گے۔

کرسی کے بارے میں ارشاد ہے:

☼ ﴿وَسِعَ كُرْسِيُّهُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ﴾.(البقرۃ:255)

ترجمہ: اس کی کرسی نے سارے آسمانوں اور زمین کو گھیرا ہوا ہے۔

[50]: وَهُوَ مُسْتَغْنٍ عَنِ الْعَرْشِ وَمَا دُوْنَهٗ.

ترجمہ: اللہ رب العزت عرش اور غیر عرش سے بے نیاز ہے۔

[51]: مُحِيْطٌ بِكُلِّ شَيْءٍ وَبِمَا فَوْقَهٗ وَقَدْ أَعْجَزَ عَنِ الْإِحَاطَةِ خَلْقَهٗ.

ترجمہ: اللہ تعالیٰ ہر چیز کا اور جو اس چیز کے اوپر ہے اس کا احاطہ کرنے والا ہے اور اس نے مخلوق کو اپنے احاطہ کرنے سے عاجز کر دیا ہے۔

---

[50]: جسم کو رہنے کے لیے مکان کی ضرورت ہوتی ہے اللہ تعالیٰ چونکہ جسم اور اعضاء جسم سے پاک ہے اس لیے اسے کسی مکان کی ضرورت نہیں ہے۔ لہذا عرش اور غیر عرش سے بے نیاز ہے۔

قرآن کریم میں "ثُمَّ اسْتَوٰى عَلَى الْعَرْشِ" کا معنی یہ نہیں کہ اللہ تعالیٰ کو عرش کی ضرورت ہے یا عرش اللہ تعالیٰ کا مکان ہے بلکہ اس کا معنی یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ عرش پر غالب ہے۔

[51]: امام طحاوی رحمۃ اللہ علیہ کی غرض احاطہ ذاتی، قرب ذاتی اور معیت ذاتیہ کو ثابت کرنا ہے۔ عبارت میں "مُحِيْطٌ" کا عطف "مُسْتَغْنٍ" پر ہے۔ دونوں کا تعلق "هُوَ" کے ساتھ ہے اور "هُوَ" سے مراد ذات ہے۔ لہذا جس طرح ذات باری تعالیٰ عرش اور غیر عرش سے مستغنی ہے اسی طرح وہی ذات تمام اشیاء کو محیط بھی ہے۔

☼ ﴿وَكَانَ اللّٰهُ بِكُلِّ شَيْءٍ مُّحِيْطًا﴾. (النساء:126)

ترجمہ: اور اللہ تعالیٰ چیز کو محیط ہے۔

☼ ﴿اَلَآ اِنَّهٗ بِكُلِّ شَيْءٍ مُّحِيْطٌ﴾. (فصلت:54)

ترجمہ: آگاہ رہو کہ بے شک وہ ہر چیز کا احاطہ کرنے والا ہے۔

....

ذات باری تعالیٰ اور صفات باری تعالیٰ میں چونکہ تلازم ہے کہ یہ ایک دوسرے سے الگ نہیں ہو سکتیں اس لیے ذات و صفات دونوں کو معیت حاصل ہے یعنی اللہ تعالیٰ کے لیے معیت ذاتیہ، احاطہ ذاتیہ اور قرب ذاتی ثابت ہے اور معیت علمیہ، احاطہ علمیہ اور قرب علمی بھی ثابت ہے۔

یہ بات بھی واضح رہے کہ معیت، قرب اور احاطہ سے مراد "ذاتی" لیا جائے اور بلا کیفیت لیا جائے تو اس میں کوئی حرج نہیں لیکن اس معیت، قرب اور احاطہ کی کیفیات بیان کی جائیں یا ایسی معیت کا عقیدہ رکھا جائے جو جسم کو جسم کے ساتھ ہوتی ہے تو یہ عقیدہ مجسمہ فرقے کا ہے۔ اھل السنۃ والجماعۃ اس عقیدہ تجسیم یا معیت بالکیفیات کے عقیدہ سے بری ہیں۔ اس لیے معیت ذاتیہ، قرب ذاتی اور احاطہ ذاتی بلا کیفیت کا عقیدہ ہی اھل السنۃ والجماعۃ کا عقیدہ ہے۔

معیت، قرب اور احاطہ کے ذاتی مراد ہونے پر درج ذیل علماء کی نصوص ملاحظہ ہوں:

(1): علامہ علی بن احمد بن ابراہیم المہایمی الہندی (ت835ھ) آیت ﴿وَنَحْنُ أَقْرَبُ إِلَيْهِ مِنْ حَبْلِ الْوَرِيْدِ﴾ کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

﴿وَنَحْنُ أَقْرَبُ إِلَيْهِ﴾ لَا بِالْمَكَانِ وَلَا بِالزَّمَانِ وَلَا بِالرُّتْبَةِ بَلْ بِالذَّاتِ مِنْ غَيْرِ اخْتِلَاطٍ وَلَا حُلُوْلٍ وَلَا اتِّحَادٍ.

(تفسیر تبصیر الرحمٰن: ج2ص293)

ترجمہ: {ہم بندے کی شہ رگ سے زیادہ قریب ہیں} اللہ کا یہ قرب مکان، زمان اور رتبہ کے اعتبار سے نہیں بلکہ ذات کے اعتبار سے ہے لیکن اختلاط، حلول اور اتحاد کے بغیر ہے۔

....

(2): علامہ ناصر الدین ابو سعید عبد اللہ بن عمر شیر ازی البیضاوی (ت 685ھ) آیت ﴿وَنَحۡنُ أَقۡرَبُ اِلَیۡهِ مِنۡ حَبۡلِ الۡوَرِیۡدِ﴾ کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

تَجُوُّزٌ بِقُرۡبِ الذَّاتِ لِقُرۡبِ الۡعِلۡمِ لِأَنَّهٗ مُوۡجِبُهٗ.

(تفسیر البیضاوی: ج2ص422)

ترجمہ: اس مقام پر قرب علمی کی وجہ سے قرب ذاتی مراد لینا بھی درست ہے کیونکہ قرب علمی کو قرب ذاتی لازم ہے۔

(3): علامہ ابو العباس احمد بن محمد بن المہدی الفاسی (ت 1224ھ) آیت ﴿وَهُوَ مَعَكُمۡ اَیۡنَ مَا كُنۡتُمۡ﴾ کے تحت لکھتے ہیں:

﴿وَهُوَ مَعَكُمۡ اَیۡنَ مَا كُنۡتُمۡ﴾ بِالۡعِلۡمِ وَالۡقُدۡرَةِ وَالۡإِحَاطَةِ الذَّاتِيَّةِ.

(البحر المدید: ج7ص309)

ترجمہ: {تم جہاں کہیں ہو اللہ تمہارے ساتھ ہے} یعنی اپنے علم، قدرت اور احاطہ ذاتی کے اعتبار سے تمہارے ساتھ ہے۔

علامہ الفاسی مزید لکھتے ہیں:

وَهُوَ مَعَكُمۡ اَیۡنَ مَا كُنۡتُمۡ بِذَاتِهٖ وَصِفَاتِهٖ عَلٰى مَا يَلِيۡقُ بِجَلَالِ قُدۡسِهٖ وَكَمَالِ كِبۡرِيَائِهٖ ، إِذِ الصِّفَةُ لَا تُفَارِقُ الۡمَوۡصُوۡفَ فَإِذَا كَانَتِ الۡمَعِيَّةُ بِالۡعِلۡمِ لَزِمَ أَنۡ تَكُوۡنَ بِالذَّاتِ. فَافۡهَمۡ، وَسَلِّمۡ إِنۡ لَمۡ تَذُقۡ.

(البحر المدید: ج7ص311)

ترجمہ: تم جہاں کہیں ہو اللہ اپنی ذات اور صفات کے اعتبار سے تمہارے ساتھ ہے جیسا کہ اس کی عظمتِ شان اور کمال کبریائی کے لائق ہے، اس کی وجہ یہ ہے کہ صفت موصوف سے کبھی جدا نہیں ہوتی۔ جب اللہ کی معیت علم کے ساتھ ہو تو ذات کے

....

اعتبار سے معیت ضرور ہو گی۔ اس بات کو خوب اچھی طرح سمجھ لیجیے اور اگر ذوق (سلیم) نہ ہو تو (خدا کے) سپرد کر دیجیے!

علامہ فاسی آیت ﴿وَنَحْنُ أَقْرَبُ إِلَيْهِ مِنْ حَبْلِ الْوَرِيْدِ﴾ کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

﴿وَنَحْنُ أَقْرَبُ إِلَيْهِ مِنْ حَبْلِ الْوَرِيْدِ﴾ أَيْ: أَنَا أَقْرَبُ إِلٰى كُلِّ أَحَدٍ مِنْ عُرُوْقِ قَلْبِهٖ، وَهٰذَا لِأَنَّ قِيَامَ الْفِعْلِ بِالصِّفَاتِ، وَالصِّفَاتُ لَا تُفَارِقُ الذَّاتَ، فَالْقُرْبُ بِالْعِلْمِ وَالْقُدْرَةِ، وَتَسْتَلْزِمُ الْقُرْبَ بِالذَّاتِ. (البحر المدید: ج7 ص177)

ترجمہ: {ہم بندے کی شہ رگ سے زیادہ قریب ہیں} یعنی میں (اللہ) ہر شخص کی رگ جان سے بھی زیادہ قریب ہوں۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ فعل (یعنی قریب ہونے) کا قیام صفات کے ذریعے ہوتا ہے اور صفات؛ ذات سے جدا نہیں ہوتیں۔ تو یہاں جو قرب ہے وہ علم اور قدرت (صفات) کے اعتبار سے ہے جو قرب ذاتی کو مستلزم ہے۔

(4): قاضی ثناء اللہ پانی پتی (م1225ھ) آیت ﴿إِنَّ اللّٰهَ مَعَ الَّذِينَ اتَّقَوْا وَالَّذِينَ هُمْ مُحْسِنُونَ﴾ کی تفسیر میں فرماتے ہیں:

فَاللّٰهُ مَعَهُمْ بِالْوِلَايَةِ وَالْفَضْلِ وَالْعَوْنِ وَالنَّصْرِ وَمَعِيَّةٌ ذَاتِيَّةٌ لَا كَيْفَ لَهَا. (التفسیر المظہری ج5 ص392)

ترجمہ: اللہ تعالیٰ دوستی، فضل و کرم، مدد و نصرت کے اعتبار سے ان کے ساتھ ہے اور یہ معیت ذاتی ہے جس کی کوئی کیفیت نہیں۔

(5): قطب الارشاد حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی (ت1323ھ) فرماتے ہیں:

”حق تعالیٰ باوجود وراء الوراء کے قریب عبد کے ہے وَهُوَ مَعَكُمْ أَيْنَ مَا

....

كُنْتُمْ، ایسے تشاویش کی ضرورت نہیں اور مَعَكُمْ علم سے معیت تعبیر کرنا کچھ حاجت نہیں، هُوَ ضمیر ذات ہے، جہاں علم وہاں ذات، پس تکلف کی کیا حاجت ہے؟ حق تعالیٰ فوق تحت سے بری ہے، فوق اور تحت اور ہر جا موجود ہے، عروج روح و قلب کا فوق کی جانب اس خیال سے نہیں ہے کہ حق تعالیٰ فوق العرش ہے، نہیں! سب جگہ ہے، قلب مومن کے اندر بھی ہے، پس فوق کا خیال مت کرو۔"

(مکاتیب رشیدیہ: ص42)

(6): حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانوی (م1362ھ) ایک سوال کے جواب میں فرماتے ہیں:

وَلَوْاُرِيْدَ بِهَا الْمَعِيَّةُ غَيْرُ الْمُتَكَيِّفَةِ فَلَا مَحْذُوْرَ فِي الْقَوْلِ بِهَا وَالْاِمْتِنَاعَ فِي اجْتِمَاعِهَا بِالْاِسْتِوَاءِ لِاَنَّ الذَّاتَ لَيْسَتْ بِمُتَنَاهِيَةٍ وَالْمَعِيَّةُ لَيْسَتْ بِمُتَكَيِّفَةٍ. (بوادر النوادر: ص50، 51)

ترجمہ: اگر معیت ذاتیہ سے مراد "معیت بلا کیف" لی جائے تو اس نظریہ کا قائل ہونے میں کوئی حرج نہیں، اور معیتِ غیر متکیفہ کو استواء (علی العرش) کے ساتھ جمع کرنا ممتنع بھی نہیں ہے، اس لیے کہ ذات باری تعالیٰ متناہی نہیں اور معیت متکیفہ نہیں۔

حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ آیت ﴿وَاللّٰهُ مُحِيْطٌ بِالْكٰفِرِيْنَ﴾ کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

"اس میں دلیل ہے قولِ صوفیہ کی کہ حق تعالیٰ اپنی مخلوق کو ذاتاً محیط ہے بدون اتصال اور کسی کیفیت کے نہ محض علم ہی سے محیط ہے۔"

(تفسیر بیان القرآن: ج1 ص22)

....

(7): حضرت مولانا عبد الحق حقانی رحمۃ اللہ علیہ (بانی دار العلوم حقانیہ اکوڑہ خٹک پشاور) ایک سوال کے جواب میں فرماتے ہیں:

”اللہ تعالیٰ کے لیے کائنات کے ساتھ معیت ذاتی و علمی ماننے میں کوئی تضاد نہیں کیونکہ معیت علمی سے خود معیت ذاتی متحقق ہو جاتی ہے۔“

(فتاویٰ حقانیہ: ج2 ص270)

(8): مفتی محمد فرید رحمۃ اللہ علیہ (دار العلوم حقانیہ اکوڑہ خٹک پشاور) ایک سوال کے جواب میں فرماتے ہیں:

”معیت علمی اور معیت ذاتی کما یلیق بشانہ تعالیٰ میں کوئی تضاد نہیں ہے۔“

(فتاویٰ فریدیہ: ج1 ص392)

(9): امام اھل السنۃ حضرت مولانا محمد سرفراز خان صفدر رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

﴿وَهُوَ مَعَكُمْ اَيْنَ مَا كُنْتُمْ﴾ تم جہاں کہیں بھی ہو وہ تمہارے ساتھ ہے، ایسا نہیں ہے کہ عرش پر ہے اور ساتھ نہیں ہے، وہ ہر ایک کے ساتھ ہے، علم کے لحاظ سے، قدرت کے لحاظ سے، ذات کے لحاظ سے جو اس کی شان کے لائق ہے۔

(تفسیر ذخیرۃ الجنان: ج4 ص239)

(9): مفسر قرآن حضرت مولانا صوفی عبد الحمید سواتی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

”اللہ تعالیٰ وجود اور ذات کے اعتبار سے قریب ہے، علم اور قدرت کے اعتبار سے بھی خدا تعالیٰ قریب ہے۔“ (معالم العرفان فی دروس القرآن: ج3 ص200)

سوال: بہت سے علماء صرف معیتِ وصفیہ کے قائل ہیں۔

جواب: معیت وصفیہ ثابت ہونے سے معیت ذاتیہ خود بخود ثابت ہو جاتی ہے کیونکہ ذات اور صفات میں تلازم ہے کہ جہاں ذات وہاں وصف۔

انبیاء علیہم السلام، ملائکہ اور آسمانی کتب

[52]: وَنَقُوْلُ: إِنَّ اللهَ اتَّخَذَ إِبْرَاهِيْمَ خَلِيْلًا وَكَلَّمَ مُوسٰى تَكْلِيْمًا إِيْمَانًا وَتَصْدِيْقًا وَتَسْلِيْمًا.

ترجمہ: ہمارا عقیدہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو خلیل بنایا اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کو شرف کلام سے نوازا۔ اس بات پر ہمارا ایمان ہے اور ہم اس کی تصدیق کرتے اور اسے تسلیم کرتے ہیں۔

---

[52]: حضرت ابراہیم علیہ السلام کے لیے "خلت" اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کے لیے "ہمکلامی" قرآنی نصوص سے ثابت ہے اور ہمارا اس پر ایمان ہے۔ ارشاد باری ہے:

☼ ﴿وَاتَّخَذَ اللهُ إِبْرَاهِيْمَ خَلِيْلًا﴾. (النساء:125)

ترجمہ: اللہ نے حضرت ابراہیم کو خلیل بنایا۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام کے لیے فرمایا:

☼ ﴿وَكَلَّمَ اللهُ مُوْسٰى تَكْلِيْمًا﴾. (النساء:164)

ترجمہ: اور اللہ نے موسیٰ علیہ السلام سے کلام کیا۔

فائدہ نمبر 1: حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

لَوْ كُنْتُ مُتَّخِذًا خَلِيْلًا لَاتَّخَذْتُ أَبَا بَكْرٍ خَلِيْلًا وَلٰكِنَّهُ أَخِيْ وَصَاحِبِيْ.

(صحیح مسلم: ج2 ص273 کتاب فضائل الصحابۃ. باب مِنْ فَضَائِلِ أَبِيْ بَكْرٍ الصِّدِّيْقِ)

ترجمہ: اگر میں کسی کو خلیل بناتا تو ابو بکر کو بناتا لیکن وہ تو میرے بھائی اور ساتھی ہیں۔

....

اس حدیث میں لفظ ”خلیل“ خلت سے ہے جس کا معنی ہے ”حاجت“۔ اب حدیث کا معنی یہ ہے کہ اگر میں کسی کو اپنا خلیل بناتا کہ اپنی ساری ضروریات اس سے پوری کرتا اور تمام مشکلات میں اس سے رجوع کرتا تو اس کے لیے میری نظر میں ابو بکر سے بہتر شخص کوئی نہیں لیکن میں چونکہ اپنی تمام حاجات اللہ کے سامنے رکھتا ہوں اس لیے میں خلیل؛ اللہ تعالیٰ ہی کو سمجھتا ہوں اور ابو بکر کو دوست سمجھتا ہوں۔

اور قرآن مجید میں جہاں حضرت ابراہیم علیہ السلام کو ”خلیل“ کہا گیا ہے تو وہاں خلیل کا لفظ خلت بمعنی خصلت سے ہے یعنی حضرت ابراہیم علیہ السلام میں اللہ نے خصال حسنہ جمع فرمادی تھیں، یا لفظ تخلل سے ہے بمعنی داخل ہونا کہ ابراہیم علیہ السلام کے رگ وریشہ میں اللہ کی محبت داخل ہوگئی تھی اس لیے آپ اللہ کے خلیل کہلائے۔

ملا علی قاری (ت1014ھ) نے ان معانی کو یوں بیان کیا ہے:

إِنَّ أَصْلَ التَّرْكِيبِ مِنَ الْخَلَّةِ بِالْفَتْحِ وَهِيَ الْحَاجَةُ وَالْمَعْنَى لَوْ كُنْتُ مُتَّخِذًا مِنَ الْخَلْقِ خَلِيلًا أَرْجِعُ إِلَيْهِ فِي الْحَاجَاتِ وَأَعْتَمِدُ إِلَيْهِ فِي الْمُهِمَّاتِ (لَا تَّخَذْتُ أَبَابَكْرٍ خَلِيلًا)، وَلٰكِنَّ الَّذِيْ أَلْجَأُ إِلَيْهِ وَأَعْتَمِدُ عَلَيْهِ فِيْ جُمْلَةِ الْأُمُوْرِ وَمَجَامِعِ الْأَحْوَالِ هُوَ اللهُ تَعَالَى وَإِنَّمَا سُمِّيَ إِبْرَاهِيمُ عَلَيْهِ السَّلَامُ خَلِيلًا مِنَ الْخَلَّةِ بِالْفَتْحِ الَّتِيْ هِيَ الْخَصْلَةُ فَإِنَّهُ تَخَلَّقَ بِخِلَالٍ حَسَنَةٍ اخْتَصَّتْ بِهِ أَوْ مِنَ التَّخَلُّلِ فَإِنَّ الْحُبَّ تَخَلَّلَ شِغَافَ قَلْبِهِ. (مرقاۃ المفاتیح: ج11 ص164)

ترجمہ: لفظ خلیل ”خلۃ“ سے مشتق ہے جس کا معنی ہے ”ضرورت“ اب حدیث کا مطلب یہ ہے کہ اگر میں بندوں میں سے کسی کو خلیل بناتا کہ اپنی ساری ضروریات اس کے سامنے رکھتا اور اپنی مشکلات میں اسی پر اعتماد کرتا تو ایسا شخص ابو بکر ہے لیکن تمام

[53]: وَنُؤْمِنُ بِالْمَلَائِكَةِ وَالنَّبِيِّينَ وَالْكُتُبِ الْمُنَزَّلَةِ عَلَى الْمُرْسَلِينَ وَنَشْهَدُ أَنَّهُمْ كَانُوا عَلَى الْحَقِّ الْمُبِينِ.

ترجمہ: ہم فرشتوں پر، انبیاء علیہم السلام پر اور ان پر نازل ہونے والی کتابوں پر ایمان لاتے ہیں اور اس بات کی گواہی دیتے ہیں کہ تمام انبیاء علیہم السلام حق پر تھے۔

امور اور حالات میں جس کو میں اپنا ملجا و ماوی بناتا ہوں وہ اللہ تعالیٰ ہی کی ذات ہے۔ جہاں تک حضرت ابراہیم علیہ السلام کو خلیل کہنے کا تعلق ہے تو وہاں لفظ خلیل "خلۃ" بمعنی خصلت سے مشتق ہے یعنی بعض خصلتیں ایسی تھی جو حضرت ابراہیم علیہ السلام کے ساتھ خاص تھیں یا لفظ خلیل "تخلل" سے ہے (بمعنی داخل ہونا) کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے دل میں بھی اللہ کی محبت جاگزین ہوگئی تھی۔

فائدہ نمبر2: حضرت موسیٰ علیہ السلام کے "کلیم اللہ" ہونے کا معنی یہ ہے کہ آپ میں یہ خاص وصف تھا کہ جب اللہ تعالیٰ سے ہم کلام ہونا چاہتے تو کوہِ طور پر چلے جاتے اور اللہ تعالیٰ سے گفتگو فرمالیتے۔

[53]: ہم ملائکہ، انبیاء علیہم السلام اور ان پر نازل ہونے والی کتب کو اس طرح مانتے ہیں جس طرح ماننے کا حق ہے۔ فرشتوں کو اللہ کی مخلوق مانتے ہیں لیکن مشرکین کی طرح اللہ کی بیٹیاں نہیں مانتے۔ انبیاء علیہم السلام کو اللہ تعالیٰ کے بندے اور رسول مانتے ہیں لیکن یہود کی طرح حضرت عزیر علیہ السلام کو اور نصاریٰ کی طرح حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو اللہ کا بیٹا نہیں مانتے۔ کتب سماویہ کو اللہ کی جانب سے نازل کردہ مانتے ہیں البتہ پہلی کتب کو منسوخ اور قرآن مجید کو قیامت تک کے لیے لائحہ عمل اور ذریعہ نجات مانتے ہیں۔

اھلِ قبلہ

[54]: وَنُسَمِّي أَهْلَ قِبْلَتِنَا مُسْلِمِيْنَ مُؤْمِنِيْنَ مَا دَامُوْا بِمَا جَاءَ بِهِ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مُعْتَرِفِيْنَ وَلَهُ بِكُلِّ مَا قَالَ وَأَخْبَرَ مُصَدِّقِيْنَ.

ترجمہ: ہم اھلِ قبلہ کو مسلمان اور مومن سمجھیں گے جب تک کہ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی لائی ہوئی تمام باتوں کا اعتراف کریں اور جو کچھ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اور خبر دی اس کی تصدیق کریں۔

ذات باری تعالیٰ میں غور و فکر سے ممانعت

[55]: وَلَا نَخُوْضُ فِي اللّٰهِ وَلَا نُمَارِيْ فِيْ دِيْنِ اللّٰهِ تَعَالٰى.

ترجمہ: ہم اللہ تعالیٰ کی ذات کے بارے میں غور و فکر نہیں کرتے اور نہ ہی اللہ تعالیٰ کے دین کے بارے میں جھگڑا کرتے ہیں۔

---

[54]: "اھلِ قبلہ" شریعت کی ایک اصطلاح ہے۔ اھلِ قبلہ سے مراد وہ لوگ ہیں جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی لائی ہوئی تمام باتوں کا اعتراف کریں اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے جو کچھ فرمایا اس کی تصدیق کریں۔ یہاں "اھلِ قبلہ" کا لغوی اور لفظی معنی ہر گز مراد نہیں کہ اس سے وہ لوگ مراد ہوں جو کعبہ کو اپنا قبلہ سمجھ کر اس کی طرف نماز پڑھتے ہوں بلکہ اس کا اصطلاحی و شرعی معنی مراد ہے۔

[55]: انسانی عقل ذات باری تعالیٰ کا احاطہ کرنے سے عاجز ہے۔ لہذا اللہ تعالیٰ کی ذات کے بارے میں بحث کرنا جائز نہیں۔ اسی طرح اللہ تعالیٰ کے دین سے جھگڑا کرنا بھی جائز نہیں۔ ہاں دین کے لیے دین کے مخالف سے جھگڑنا محمود و مطلوب ہے۔

[56]: وَلَا نُجَادِلُ فِي الْقُرْآنِ وَنَشْهَدُ أَنَّهُ كَلَامُ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ نَزَلَ بِهِ الرُّوْحُ الْأَمِيْنُ فَعَلَّمَهُ سَيِّدَ الْمُرْسَلِيْنَ مُحَمَّدًا صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَهُوَ كَلَامُ اللّٰهِ تَعَالٰى لَا يُسَاوِيْهِ شَيْءٌ مِنْ كَلَامِ الْمَخْلُوْقِيْنَ وَلَا نَقُوْلُ بِخَلْقِ الْقُرْآنِ وَلَا نُخَالِفُ جَمَاعَةَ الْمُسْلِمِيْنَ.

ترجمہ: ہم قرآن کریم کے بارے میں جھگڑا نہیں کرتے بلکہ ہم گواہی دیتے ہیں کہ یہ رب العالمین کا کلام ہے جو حضرت جبرائیل امین علیہ السلام لے کر نازل ہوئے اور جبرائیل امین علیہ السلام کے ذریعے اللہ نے یہ کلام سید المرسلین حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو سکھایا ہے۔ یہ اللہ تعالیٰ کا کلام ایسا ہے کہ مخلوق کے کلام میں سے کوئی کلام اس کی برابری نہیں کر سکتا۔ ہم قرآن کے مخلوق ہونے کے قائل نہیں ہیں اور مسلمان جس مسئلہ پر جمع ہو جائیں ہم اس کی مخالفت نہیں کرتے۔

---

[56]: نبی کا معلم خود اللہ تعالیٰ ہے۔ حضرت جبرائیل علیہ السلام؛ اللہ تعالیٰ اور پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کے درمیان واسطہ ہیں کہ اللہ کا کلام پیغمبر تک پہنچاتے ہیں، اس لیے حضرت جبرائیل علیہ السلام معلم پیغمبر نہیں بلکہ اللہ تعالیٰ ہی معلم پیغمبر ہیں۔

قرآن مجید اللہ کا کلام اور اللہ کی صفت ہے۔ اللہ تعالیٰ کی ذات بھی ازلی ہے اور صفات بھی ازلی ہیں، اس لیے کلام بھی ازلی ہے اور مخلوق وحادث نہیں۔

وہ کلام جو اللہ تعالیٰ کی صفت ہے وہ ازلی ہے اور الفاظ و حروف سے مرکب نہیں ہے کیونکہ اگر اس کلام کو حروف و الفاظ سے مرکب مانا جائے تو ترکیب کا ضابطہ ہے کہ پہلے ایک حرف آتا ہے، اس کے بعد دوسرا، یوں یکے بعد دیگرے حروف ظاہر ہوتے ہیں اور یہ صفت حادث کی ہے نہ کہ قدیم کی۔ اس لیے ثابت ہوا کہ اللہ کا کلام الفاظ و حروف سے مرکب نہیں۔ اللہ کے کلام کو ہم مخلوق ادا کرتے ہیں تو یہ ہمارا کلام

[57]: وَلَا نُكَفِّرُ أَحَدًا مِنْ أَهْلِ الْقِبْلَةِ بِذَنْبٍ مَا لَمْ يَسْتَحِلَّهُ.

ترجمہ: ہم کسی اہل قبلہ کو گناہ کرنے کی وجہ سے کافر نہیں کہتے جب تک کہ وہ اس گناہ کو حلال نہ سمجھے۔

گناہ و ایمان

[58]: وَلَا نَقُوْلُ لَا يَضُرُّ مَعَ الْإِيْمَانِ ذَنْبٌ لِمَنْ عَمِلَهُ.

ترجمہ: ہم اس بات کے قائل نہیں ہیں کہ ایمان والے کو گناہ کوئی نقصان نہیں دیتا۔

الٰہی کو ادا کرنا الفاظ و حروف سے مرکب ہوتا ہے اور حادث ہوتا ہے۔ ہمارا پڑھنا یہ کلام اللہ نہیں بلکہ کلام اللہ پر دلیل ہے۔

خلاصہ یہ کہ کلام جو باری تعالیٰ کی صفت ہے وہ قدیم ہے اور ہمارا اس کلام کا تلفظ کرنا حادث ہے۔

[57]: یعنی عقیدہ درست ہو اور کبیرہ گناہ کا مرتکب ہو تو ایسا شخص مسلمان ہے لیکن اگر کبیرہ گناہ کو حلال سمجھ کر کرتا ہو تو کافر ہو جائے گا۔

[58]: ایمان کی حالت میں گناہ کا ارتکاب کرنے سے ایمان ختم تو نہیں ہوتا لیکن یہ گناہ اس بندہ مؤمن کے لیے وبال اور دل کی سیاہی کا باعث بن جاتا ہے۔ مؤمن جب گناہ کرتا ہے تو اس کے دل پر ایک سیاہ نقطہ لگ جاتا ہے۔ اگر اس نے توبہ کر لی اور نادم ہو کر اپنے اعمال درست کر لیے تو یہ سیاہ نقطہ مٹ جاتا ہے اور دل اپنی اصلی حالت پر منور ہو جاتا ہے۔ لیکن اگر یہ بندہ توبہ نہیں کرتا اور گناہوں میں زیادتی کرتا چلا جاتا ہے تو یہ سیاہی اس کے سارے دل پر چھا جاتی ہے۔ اس لیے انسان کو ایمان کے ساتھ نیک اعمال بھی کرتے رہنا چاہییں اور توبہ اور استغفار کا بھی معمول رکھنا چاہیے۔

امید مغفرت اور خوف عذاب

[59]: نَرْجُوْ لِلْمُحْسِنِيْنَ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ أَنْ يَعْفُوَ عَنْهُمْ وَيُدْخِلَهُمُ الْجَنَّةَ بِرَحْمَتِهِ وَلَا نَأْمَنُ عَلَيْهِمْ وَلَا نَشْهَدُ لَهُمْ بِالْجَنَّةِ وَنَسْتَغْفِرُ لِمُسِيْئِهِمْ وَنَخَافُ عَلَيْهِمْ وَلَا نُقَنِّطُهُمْ.

ترجمہ: ہم امید کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نیکوکار مومنین کو معاف فرمادے اور اپنی رحمت سے انہیں جنت میں داخل کر دے، البتہ ان کے بارے میں ہم بے خوف بھی نہیں اور نہ ہی یہ بات کہتے ہیں کہ (یقینی طور پر) انہیں جنت ملے گی۔ ہم گناہ گار مومنین کے لیے مغفرت مانگتے ہیں اور ان کے بارے میں اللہ سے ڈرتے بھی ہیں البتہ انہیں مغفرت سے ناامید نہیں کرتے۔

[60]: وَالْأَمْنُ وَالْإِيَاسُ يَنْقُلَانِ عَنْ مِلَّةِ الْإِسْلَامِ، وَسَبِيْلُ الْحَقِّ بَيْنَهُمَا لِأَهْلِ الْقِبْلَةِ.

ترجمہ: عذاب سے بے خوف ہونا اور معافی سے ناامید ہونا آدمی کو دین اسلام سے خارج کر دیتا ہے اور اہل قبلہ کے لیے راہِ حق اس (امید و ناامیدی) کے درمیان ہے۔

---

[59]: یعنی نیک اعمال کر کے اِترانا بھی نہیں چاہیے اور برے اعمال سرزد ہو جائیں تو رحمتِ الٰہی سے مایوس بھی نہیں ہونا چاہیے بلکہ عذاب کے خوف اور مغفرت کی امید کے ساتھ بارگاہِ الٰہی میں متوجہ رہنا چاہیے۔

[60]: یعنی اہلِ حق کا راستہ یہی ہے کہ انسان امید و خوف کے درمیان رہے۔ مغفرت کا طالب بھی رہے اور عذاب سے خائف بھی۔ ایسا نہ ہو کہ بندے کا عذاب سے نڈر ہو جانا اور رحمت سے ناامید ہو جانا اسے اسلام ہی سے خارج کر دے۔

ایمان سے خارج کرنے والی چیز

[61]: وَلَا يَخْرُجُ الْعَبْدُ مِنَ الْإِيمَانِ إِلَّا بِجُحُودِ مَا أَدْخَلَهُ فِيهِ.

ترجمہ: بندہ ایمان سے اس وقت تک نہیں نکلے گا جب تک ان چیزوں کا انکار نہ کر دے جن کے ماننے کی وجہ سے وہ ایمان میں داخل ہوا تھا۔

حقیقت و مراتب ایمان

[62]: وَالْإِيمَانُ هُوَ الْإِقْرَارُ بِاللِّسَانِ وَالتَّصْدِيقُ بِالْجَنَانِ.

ترجمہ: ایمان؛ زبان سے اقرار اور دل سے تسلیم کرنے کا نام ہے۔

---

[61]: یعنی بندہ ایمانیات میں سے کسی ایک کے انکار کی وجہ سے کافر ہو گا، بد عملی کی وجہ سے ایمان سے خارج نہ ہو گا۔

[62]: ایمان دراصل "تصدیق قلبی" کا نام ہے، زبان سے اقرار کرنا یہ ایمان کا رکن اصلی نہیں بلکہ ایمان کی علامت ہے کیونکہ تصدیق ایک باطنی اور پوشیدہ امر ہے جس کا علم زبان سے اظہار کے ذریعے ہی ہوتا ہے۔ اس لیے غیر معذور افراد (جو اپنی زبان سے بول سکتے ہوں) کے لیے زندگی میں ایک بار زبان سے کلمہ ایمان کا اظہار ضروری ہے ورنہ ایسے شخص کے ایمان کی تصدیق نہیں کی جائے گا۔ اسی طرح بوقت ضرورت بھی زبان سے اظہار لازمی ہے۔

فقط تصدیق قلبی ہی ایمان کا رکن اصلی ہے، زبان سے اقرار اور اعمال صالحہ یہ ایمان کے رکن اصلی نہیں ہیں۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ قرآن و سنت میں ایمان کا تعلق دل سے بیان کیا گیا ہے:

1: ﴿وَقَلْبُهُ مُطْمَئِنٌّ بِالْإِيمَانِ﴾. (النحل:106)

....

ترجمہ: اس کا دل ایمان پر مطمئن رہے۔

یہاں ایمان کے ساتھ فقط دل کے اطمینان کا ذکر ہے، لسان اور اعضاء و جوارح کا ذکر نہیں کیا گیا۔

2: ﴿وَلَمَّا يَدْخُلِ الْإِيمَانُ فِي قُلُوبِكُمْ﴾. (الحجرات: 14)

ترجمہ: ایمان تو ابھی تمہارے دلوں میں داخل نہیں ہوا۔

3: ﴿أُولَئِكَ كَتَبَ فِي قُلُوبِهِمُ الْإِيمَانَ﴾. (المجادلۃ: 22)

ترجمہ: یہ وہ لوگ ہیں جن کے دلوں میں اللہ نے ایمان نقش فرمایا۔

4: حضرت اسامہ بن زید رضی اللہ عنہ نے ایک جنگ کے موقع پر ایک آدمی کو قتل کر دیا جس نے لا الہ الا اللہ کہا تھا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے وجہ پوچھی تو عرض کیا کہ اس نے تلوار کے ڈر سے پڑھا تھا، تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا تھا:

أَفَلَا شَقَقْتَ عَنْ قَلْبِهِ حَتّٰى تَعْلَمَ أَقَالَهَا أَمْ لَا؟

(صحیح مسلم: ج1 ص67، 68 باب تحریم قتل الکافر بعد قولہ لا الہ الا اللہ)

ترجمہ: کیا تو نے اس کا دل چیر کر دیکھا تھا کہ اس نے تلوار کے ڈر سے پڑھا ہے یا نہیں؟

اعمال ظاہرہ نفس ایمان میں داخل نہیں البتہ کمال ایمان میں داخل ہیں یعنی ان کی کمی وزیادتی کی وجہ سے نفسِ ایمان کم زیادہ نہیں ہوتا بلکہ کمال ایمان کم وزیادہ ہوتا رہتا ہے۔ اس لیے نیک کام کرنے والے اور گناہ کرنے والے مومن نفسِ ایمان میں تو برابر سمجھے جائیں گے البتہ نیک اعمال کرنے والا کامل و صالح مومن اور گناہ کرنے والا فاسق مومن کہلائے گا۔

[63]: وَأَنَّ جَمِيعَ مَا أَنْزَلَ اللهُ فِي الْقُرْآنِ وَجَمِيعَ مَا صَحَّ عَنْ رَسُولِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مِنَ الشَّرْعِ وَالْبَيَانِ كُلُّهُ حَقٌّ.

ترجمہ: وہ تمام چیزیں جو اللہ تعالیٰ نے قرآن میں نازل کی ہیں اور شریعت کی وہ تمام باتیں جن کی وضاحت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمائی ہے، سب برحق ہیں۔

[64]: وَالْإِيْمَانُ وَاحِدٌ وَأَهْلُهُ فِيْ أَصْلِهِ سَوَاءٌ وَالتَّفَاضُلُ بَيْنَهُمْ بِالْخَشْيَةِ وَالتُّقٰى وَمُخَالَفَةِ الْهَوٰى وَمُلَازَمَةِ الْأَوْلٰى.

ترجمہ: ایمان واحد (بسیط) ہے اور اہل ایمان نفسِ ایمان میں برابر ہیں۔ ہاں اہل ایمان کی ایک دوسرے پر فضیلت تقویٰ، نفسانی خواہشات کی مخالفت اور افضل احکام پر پابندی کرنے کے اعتبار سے ہوتی ہے۔

---

[63]: یعنی قرآن مجید پر ایمان کے ساتھ ساتھ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے جو کچھ ثابت ہے اسے ماننا بھی ضروری ہے۔ چنانچہ قرآن کا انکار کرنا، اس میں تحریف کا عقیدہ رکھنا یا اس کی من مانی تشریح وتفسیر کرنا بھی گمراہی ہے اور قرآن مان کر احادیث مبارکہ کا انکار کرنا بھی ضلالت ہے۔

[64]: ایمان ایک ہی چیز یعنی ”تصدیق قلبی“ کا نام ہے۔ اعمال ظاہرہ نفسِ ایمان کا حصہ نہیں بلکہ کمال ایمان کا حصہ ہیں یعنی نیک یا برے اعمال کی وجہ سے نفسِ ایمان کم یا زیادہ نہیں ہوتا البتہ کمال ایمان کم یا زیادہ ہوتا رہتا ہے۔ اس لیے اگر کوئی مؤمن شخص تقویٰ اختیار کرے، خواہشات نفسانیہ کی مخالفت کرے اور افضل حکم پر عمل پیرا ہو تو ایسا شخص کمال ایمان کا حامل قرار پائے گا۔ اسی طرح اگر کوئی شخص گناہ کرے اور نفسانی خواہشات کی پیروی کرے تو یہ ناقص الایمان کہلائے گا یعنی ایمان کا حامل تو ہے البتہ گناہ گار ہے۔

[65]: وَالْمُؤْمِنِيْنَ كُلُّهُمْ أَوْلِيَاءُ الرَّحْمٰنِ وَأَكْرَمُهُمْ عِنْدَ اللهِ أَطْوَعُهُمْ وَأَتْبَعُهُمْ لِلْقُرْآنِ.

ترجمہ: سارے ایمان والے اللہ تعالیٰ کے دوست ہیں لیکن اللہ کے نزدیک سب سے زیادہ عزت والا وہ ہے جو زیادہ فرماں بردار ہو اور قرآن کی زیادہ اتباع کرنے والا ہو۔

[66]: وَالْإِيْمَانُ هُوَ الْإِيْمَانُ بِاللهِ وَمَلَائِكَتِهٖ وَكُتُبِهٖ وَرُسُلِهٖ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ وَالْقَدْرِ خَيْرِهٖ وَشَرِّهٖ وَحُلْوِهٖ وَمُرِّهٖ مِنَ اللهِ تَعَالٰى.

ترجمہ: ایمان نام ہے اللہ تعالیٰ کو، اس کے فرشتوں کو، اس کی نازل کردہ کتابوں کو، اس کے رسولوں کو، قیامت کے دن کو اور اچھی اور بری، میٹھی اور کڑوی تقدیر کے من جانب اللہ تعالیٰ ہونے کو تسلیم کرنے کا۔

---

[65]: ولایت کی دو قسمیں ہیں:

1: ولایت عامہ۔ یہ تمام مؤمنین کو حاصل ہے۔ ارشاد باری ہے:

﴿اَللّٰهُ وَلِيُّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا يُخْرِجُهُمْ مِّنَ الظُّلُمٰتِ اِلَى النُّوْرِ﴾ (البقرۃ:257)

ترجمہ: اللہ ایمان والوں کا دوست ہے انہیں اندھیروں سے نکال کر روشنی کی طرف لاتا ہے۔

2: ولایت خاصہ۔ یہ متقین کو حاصل ہے۔ ارشاد باری ہے:

﴿اِنْ أَوْلِيَآؤُهٗٓ اِلَّا الْمُتَّقُوْنَ﴾. (الانفال:34)

ترجمہ: اللہ کے دوست متقین لوگ ہی ہیں۔

اللہ تعالیٰ کے نزدیک مقام و مرتبہ کا معیار شریعت کی اتباع ہے۔ جو شخص جتنا زیادہ متبع شریعت ہو گا اتنا اللہ کے ہاں عزت و مرتبہ کا حقدار ہو گا۔

[66]: یہاں سے چند ایمانیات کا ذکر کیا جا رہا ہے۔ اللہ تعالیٰ، فرشتوں، آسمانی

[67]: وَنَحْنُ مُؤْمِنُوْنَ بِذٰلِكَ كُلِّهٖ لَا نُفَرِّقُ بَيْنَ أَحَدٍ مِنْ رُسُلِهٖ وَنُصَدِّقُهُمْ كُلَّهُمْ عَلٰى مَا جَاءُوْا بِهٖ.

ترجمہ: ہم ان تمام باتوں پر ایمان لاتے ہیں اور اللہ کے رسولوں کے درمیان تفریق نہیں کرتے اور انہوں نے جو بھی خدا کی تعلیمات پیش کیں ہم ان سب کی تصدیق کرتے ہیں۔

کتابوں، رسولوں، روزِ قیامت اور تقدیر وغیرہ پر ایمان لانا ضروری ہے۔

فائدہ: تقدیر کے ذیل میں میٹھی اور کڑوی تقدیر کا ذکر کیا ہے۔ میٹھی تقدیر سے مراد وہ فیصلے ہیں جو بندے کی خواہش نفس کے مطابق ہوں اور کڑوی تقدیر سے مراد وہ فیصلے ہیں جو خواہشِ نفس کے مطابق نہ ہوں۔

[67]: انبیاء علیہم السلام میں تفریق نہ کرنے کا معنی یہ ہے کہ ہم ایسا نہیں کرتے کہ کسی نبی کو مانیں اور کسی کو نہ مانیں بلکہ ہم نفس نبوت تمام انبیاء علیہم السلام کے لیے ثابت مانتے ہیں۔ البتہ انبیاء علیہم السلام کے درجات اور مراتب میں فرق ہے کہ بعض انبیاء علیہم السلام بعض دوسرے انبیاء سے افضل ہیں، اس لیے ہم اس تفضیل مراتب کے بھی قائل ہیں۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿تِلْكَ الرُّسُلُ فَضَّلْنَا بَعْضَهُمْ عَلٰى بَعْضٍ مِنْهُمْ مَّنْ كَلَّمَ اللّٰهُ وَرَفَعَ بَعْضَهُمْ دَرَجٰتٍ﴾.

(البقرۃ:253)

ترجمہ: ان پیغمبروں کو ہم نے ایک دوسرے پر فضیلت دی ہے۔ ان میں سے بعض وہ ہیں جن سے اللہ نے کلام فرمایا اور ان میں سے بعض کے درجات کو بلند فرمایا۔

اھلِ کبائر

[68]: وَأَهْلُ الْكَبَائِرِ مِنْ أُمَّةِ مُحَمَّدٍ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي النَّارِ لَا يَخْلُدُونَ إِذَا مَاتُوا وَهُمْ مُوَحِّدُونَ وَإِنْ لَمْ يَكُونُوا تَائِبِينَ بَعْدَ أَنْ لَقُوا اللهَ عَارِفِينَ (مُؤْمِنِينَ) وَهُمْ فِي مَشِيئَتِهِ وَحُكْمِهِ إِنْ شَاءَ غَفَرَ لَهُمْ وَعَفَا عَنْهُمْ بِفَضْلِهِ كَمَا قَالَ تَعَالَى فِي كِتَابِهِ الْعَزِيزِ: ﴿إِنَّ اللّٰهَ لَا يَغْفِرُ اَنْ يُّشْرَكَ بِهٖ وَيَغْفِرُ مَا دُوْنَ ذٰلِكَ لِمَنْ يَّشَآءُ﴾ وَإِنْ شَاءَ عَذَّبَهُمْ فِي النَّارِ بِعَدْلِهِ ثُمَّ يُخْرِجُهُمْ مِنْهَا بِرَحْمَتِهِ وَشَفَاعَةِ الشَّافِعِينَ مِنْ أَهْلِ طَاعَتِهِ ثُمَّ يَبْعَثُهُمْ إِلَى جَنَّتِهِ وَذٰلِكَ بِأَنَّ اللهَ تَعَالَى تَوَلَّى أَهْلَ مَعْرِفَتِهِ وَلَمْ يَجْعَلْهُمْ فِي الدَّارَيْنِ كَأَهْلِ نُكْرَتِهِ الَّذِينَ خَابُوا مِنْ هِدَايَتِهِ وَلَمْ يَنَالُوا مِنْ وِلَايَتِهِ. أَللّٰهُمَّ يَا وَلِيَّ الْإِسْلَامِ وَأَهْلِهِ ثَبِّتْنَا عَلَى الْإِسْلَامِ حَتّٰى نَلْقَاكَ بِهِ.

ترجمہ: امت محمدیہ صلی اللہ علیہ وسلم کے وہ لوگ جنھوں نے کسی کبیرہ گناہ کا ارتکاب کیا ہو وہ جہنم میں تو جائیں گے لیکن توحید کے قائل ہونے اور ایمان پر موت آنے کی صورت میں وہ جہنم میں ہمیشہ نہیں رہیں گے اگرچہ وہ توبہ کیے بغیر مرے ہوں۔ ایسے لوگ اللہ تعالیٰ کی مشیت اور حکم کے تابع ہوں گے۔ اگر اللہ تعالیٰ چاہے تو اپنے فضل و کرم سے ان کی مغفرت فرمادے اور ان کو بخش دے جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ﴿إِنَّ اللّٰهَ لَا يَغْفِرُ اَنْ يُّشْرَكَ بِهٖ وَيَغْفِرُ مَا دُوْنَ ذٰلِكَ لِمَنْ يَّشَآءُ﴾ کہ اللہ تعالیٰ اس بات کو کبھی معاف نہیں کرتا کہ اس کے ساتھ کسی کو شریک ٹھہرایا جائے اور شرک کے علاوہ ہر گناہ جس کے لیے چاہتا ہے معاف کر دیتا ہے۔ اور اگر اللہ تعالیٰ چاہے تو قانونِ عدل کے ذریعے ان (مرتکبین کبیرہ) کو جہنم کا عذاب دے اور سزا دینے کے بعد اپنے رحم و کرم سے یا نیکوکار لوگوں کی شفاعت کی وجہ سے جہنم سے نکال کر جنت میں بھیج دے۔ وجہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ اہلِ ایمان کا دوست ہے، وہ اہلِ ایمان کے ساتھ

دنیا و آخرت میں ایسا معاملہ نہیں کرے گا جیسا وہ اپنے منکرین کے ساتھ کرتا ہے جو اس کی ہدایت اور دوستی کو نہ پا سکے۔ اے اللہ! اے اسلام اور مسلمانوں کے ولی! ہمیں اسلام پر ثابت قدم فرما یہاں تک کہ ہم اسلام کی حالت میں تجھ سے ملاقات کریں۔

[69]: وَنَرَى الصَّلَاةَ خَلْفَ كُلِّ بَرٍّ وَفَاجِرٍ مِنْ أَهْلِ الْقِبْلَةِ وَعَلَى مَنْ مَاتَ مِنْهُمْ.

ترجمہ: جو شخص اہل قبلہ میں سے ہو ہم اس کے پیچھے نماز پڑھنے کو درست سمجھتے ہیں، چاہے وہ نیک ہو یا فاسق ہو۔ اسی طرح اہل قبلہ میں سے کوئی نیک ہو یا فاسق ہو ہم اس کی نماز جنازہ پڑھے جانے کو بھی درست سمجھتے ہیں۔

---

[68]: مرتکبین کبیرہ اگر حالت ایمان میں فوت ہو جائیں اور بغیر توبہ کے فوت ہوں تو ان کا معاملہ اللہ تعالیٰ کے سپرد ہے، چاہے تو اپنے فضل و کرم سے معاف فرما دے اور چاہے تو قانونِ عدل سے سزا دے دے۔ مرتکبین کبیرہ کفار کی طرح ہمیشہ ہمیشہ کے لیے جہنم نہیں جائیں گے۔

فائدہ: ”وَأَهْلُ الْكَبَائِرِ مِنْ أُمَّةِ مُحَمَّدٍ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ“ کی قید اتفاقی ہے، احترازی نہیں۔ یعنی گناہ کبیرہ کے مرتکب کا یہ حکم صرف امت محمدیہ کے ساتھ خاص نہیں بلکہ تمام امتوں کے مرتکبین کبیرہ کا یہی حکم ہے۔ امت محمدیہ کا ذکر محض اس لیے کیا کہ عقائد امت محمدیہ کے سامنے پیش کیے جا رہے ہیں۔

[69]: اس شخص کے پیچھے نماز پڑھنا اور اس میت کا جنازہ پڑھنا جائز ہے جس کے عقائد و نظریات ٹھیک ہوں اگرچہ وہ گناہگار ہو۔ اس مقصد کے لیے امام طحاوی رحمۃ اللہ علیہ نے ”مِنْ أَهْلِ الْقِبْلَةِ“ کی قید لگائی ہے۔

[70]: وَلَا نُنَزِّلُ أَحَدًا مِنْهُمْ جَنَّةً وَلَا نَارًا وَلَا نَشْهَدُ عَلَيْهِمْ بِكُفْرٍ وَلَا بِشِرْكٍ وَلَا بِنِفَاقٍ مَا لَمْ يَظْهَرْ مِنْهُمْ شَيْءٌ مِنْ ذٰلِكَ، وَنَذَرُ سَرَائِرَهُمْ إِلَى اللهِ تَعَالٰى.

ترجمہ: ہم اہلِ قبلہ میں سے کسی کو نہ جنتی قرار دیتے ہیں اور نہ جہنمی، ایسے کسی شخص کے بارے میں کفر، یا شرک یا نفاق کی گواہی بھی نہیں دیتے جب تک کہ اس سے اس قسم کی کوئی بات ظاہر نہ ہو اور ان کے پوشیدہ احوال کو اللہ کے حوالے کرتے ہیں۔

---

[70]: ہم لوگوں کے ظاہر احوال کے مکلف ہیں، ان کے دلوں کے احوال کے مکلف نہیں۔ لہذا جب تک ان کے ظاہر سے کوئی ایسی چیز نمودار نہیں ہوتی جو کفر، شرک یا نفاق کا سبب بنے تب تک ہم ان کو کافر، مشرک اور منافق نہیں کہیں گے۔ ہاں اگر ان چیزوں میں سے کوئی چیز واضح ہو جائے تو ان پر یہ احکام لاگو ہوں گے۔

فائدہ: حدیث میں منافق کی علامات بیان ہوئی ہیں:

آيَةُ الْمُنَافِقِ ثَلَاثٌ إِذَا حَدَّثَ كَذَبَ وَإِذَا وَعَدَ أَخْلَفَ وَإِذَا اؤْتُمِنَ خَانَ. (صحیح البخاری: ج1 ص10 کتاب الایمان باب علامۃ المنافق)

ترجمہ: منافق کی تین علامتیں ہیں؛ جب بات کرتا ہے تو جھوٹ بولتا ہے، جب وعدہ کرتا ہے تو وعدہ خلافی کرتا ہے اور جب اس کے پاس امانت رکھی جائے تو اس میں خیانت کرتا ہے۔

اس جیسی احادیث کا مطلب یہ نہیں ہوتا کہ یہ علامات جس میں دیکھیں اس پر نفاق کا حکم لگا دیں بلکہ ان کا مقصد یہ ہے کہ ہم خود غور کریں کہ کہیں ان بری خصلتوں میں سے کوئی خصلت ہم میں تو نہیں پائی جارہی، اس لیے اپنی حالت میں غور کر کے ان چیزوں سے بچنا چاہیے۔

[71]: وَلَا نَرَى السَّيْفَ عَلَى أَحَدٍ مِنْ أُمَّةِ مُحَمَّدٍ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِلَّا مَنْ وَجَبَ عَلَيْهِ السَّيْفُ.

ترجمہ: ہم امت محمدیہ میں سے کسی مسلمان کو واجب القتل نہیں سمجھتے جب تک کہ وہ واجب القتل قرار نہ دیا جائے۔

---

[71]: بے گناہ آدمی کو قتل کرنا بہت بڑا جرم ہے۔ قرآن مجید میں ہے:

﴿مَنْ قَتَلَ نَفْسًا بِغَيْرِ نَفْسٍ أَوْ فَسَادٍ فِي الْأَرْضِ فَكَأَنَّمَا قَتَلَ النَّاسَ جَمِيعًا﴾. (المائدۃ:32)

ترجمہ: جس نے کسی انسان کو خون کے بدلے اور زمین میں فساد پھیلانے کے علاوہ کسی اور وجہ سے قتل کیا تو گویا اس نے ساری انسانیت کو قتل کر دیا۔

البتہ تین قسم کے لوگوں کا قتل شریعت نے جائز قرار دیا ہے۔ شادی شدہ زانی، ناحق کسی کو قتل کرنے والا اور مرتد۔ حدیث مبارک میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

لَا يَحِلُّ دَمُ امْرَءٍ مُسْلِمٍ يَشْهَدُ أَنْ لَّا إِلٰهَ إِلَّا اللهُ وَأَنِّيْ رَسُوْلُ اللهِ إِلَّا بِإِحْدَىٰ ثَلَاثٍ: اَلثَّيِّبُ الزَّانِيْ وَالنَّفْسُ بِالنَّفْسِ وَالتَّارِكُ لِدِيْنِهِ الْمُفَارِقُ لِلْجَمَاعَةِ. (مسند ابی یعلیٰ الموصلی: ص949 رقم5199)

ترجمہ: کلمہ گو مسلمان کا قتل کرنا جائز نہیں سوائے ان تین وجوہات کے؛ شادی شدہ زنا کرے یا ناحق کسی کو قتل کرے یا دین اسلام کو چھوڑ کر مرتد ہو جائے۔

واضح رہے کہ قتل کے جائز ہونے کا یہ معنی نہیں کہ انسان خود قتل کرنا شروع کر دے بلکہ معنی یہ ہے کہ قانون کے دائرے میں رہ کر قانون کے ذریعے قتل کروائے۔

اطاعتِ اُولی الامر

[72]: وَلَا نَرَى الْخُرُوْجَ عَلٰى أَئِمَّتِنَا وَوُلَاةِ أُمُوْرِنَا وَإِنْ جَارُوْا وَلَا نَدْعُو عَلَيْهِمْ وَلَا نَنْزِعُ يَدًا مِنْ طَاعَتِهِمْ وَنَرٰى طَاعَتَهُمْ مِنْ طَاعَةِ اللهِ عَزَّ وَجَلَّ فَرِيْضَةً مَا لَمْ يَأْمُرُوْا بِمَعْصِيَةٍ وَنَدْعُوْ لَهُمْ بِالصَّلَاحِ وَالْمُعَافَاةِ.

ترجمہ: ہم اپنے امام اور حکمران وقت کے خلاف بغاوت کو درست نہیں سمجھتے چاہے وہ ظلم کریں، نہ ان کے بارے میں بد دعا کرتے ہیں، نہ ان کی اطاعت کو چھوڑتے ہیں۔ جب تک وہ ہمیں کسی معصیت کا حکم نہ دیں اس وقت تک ان کی اطاعت کو اللہ تعالیٰ کی اطاعت سمجھتے ہیں اور ان کے لیے اللہ سے اصلاح اور معافی کی دعا کرتے رہیں گے۔

راہِ اعتدال

[73]: وَنَتَّبِعُ السُّنَّةَ وَالْجَمَاعَةَ وَنَجْتَنِبُ الشُّذُوْذَ وَالْخِلَافَ وَالْفُرْقَةَ.

ترجمہ: ہم سنت رسول اور جماعت صحابہ کی اتباع کریں گے، جداگانہ راہ اختیار کرنے، (اہلِ حق سے) اختلاف کرنے اور تفرقہ بازی سے دور رہیں گے۔

---

[72]: دو باتوں میں فرق کرنا بہت ضروری ہے۔ ایک حکمران خود فاسق ہے لیکن حکم شریعت کے مطابق دے رہا ہے تو اس کی بات کو ماننا ضروری ہے اور ایک حکمران خود نیک ہے لیکن رعایا کو خلاف شریعت حکم دے رہا ہے تو اب اس کی بات ماننا جائز نہیں کیونکہ لَا طَاعَةَ لِمَخْلُوْقٍ فِيْ مَعْصِيَةِ الْخَالِقِ.

فاسق حکمران کے عملِ فسق کی نہیں بلکہ اس کے حکمِ صالح کی اطاعت کی جاتی ہے۔

[73]: ہم اھل السنۃ والجماعۃ ہیں۔ "السنۃ" میں نسبت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف اور "الجماعۃ" میں نسبت جماعت صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی طرف ہے۔

[74]: وَنُحِبُّ أَهْلَ الْعَدْلِ وَالْأَمَانَةِ وَنُبْغِضُ أَهْلَ الْجَوْرِ وَالْخِيَانَةِ.

ترجمہ: ہم عدل و امانت والوں کو پسند کرتے ہیں اور ظلم و خیانت کرنے والوں سے نفرت کرتے ہیں۔

امام طحاوی رحمۃ اللہ علیہ نے اس مقام پر تین الفاظ ذکر فرمائے ہیں، ان کا مفہوم و مصداق درج ذیل ہے:

شذوذ... ایک مسئلہ پر اہل حق کے 99 افراد متفق ہیں اور اس مسئلہ میں اہلِ حق کا ایک فرد اختلاف کرتا ہے تو ان میں 99 کو سواد اعظم اور ایک کو "شاذ" کہتے ہیں۔ شاذ رائے کو گمراہ تو نہیں کہیں گے کیونکہ یہ اہلِ حق کے فرد کی رائے ہے لیکن اتباع شاذ کی نہیں بلکہ سواد اعظم کی کریں گے کیونکہ حدیث مبارک میں سواد اعظم کی اتباع ہی کا حکم دیا گیا ہے۔

خلاف... ایک مسئلہ پر اہل حق کے 100 افراد متفق ہیں، اب ان کے مقابلے میں نئی رائے پیش کرنا "خلاف" کہلاتا ہے۔

فرقہ... اگر مسلک ہی بدل جائے تو اسے "فرقہ" کہیں گے۔ مثلاً ایک گروہ صرف قرآن کو مانے اور سنت کو ماننے سے انکار کر دے۔ ایک گروہ قرآن اور سنت مانے لیکن صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو چھوڑ دے۔ ایک گروہ ان کو مانتے ہوئے فقہاء کو چھوڑ دے۔ تو یہ فرقہ واریت ہے۔

[74]: خیانت عام ہے چاہے علم میں ہو یا مال میں، عقائد میں ہو یا مسائل میں لیکن علمی خیانت؛ عملی خیانت سے بدتر ہے۔ اس لیے ہم عدل و انصاف کرنے والوں سے محبت و عقیدت رکھتے ہیں اور خیانتِ علمی و عملی کرنے والوں سے نفرت اور ان کی اس غلط روش سے اعلانِ براءت کرتے ہیں۔

[75]: وَنَقُوْلُ: "اَللّٰهُ أَعْلَمُ" فِيمَا اشْتَبَهَ عَلَيْنَا عِلْمُهُ.

ترجمہ: جن چیزوں کا علم ہم پر مشتبہ ہے تو ان کے بارے میں ہم یہی کہتے ہیں کہ اللہ ہی زیادہ جاننے والا ہے۔

---

[75]: آیات کی دو قسمیں ہیں؛ محکمات اور متشابہات

آیات محکمات ان آیات کو کہتے ہیں جن کا معنی ظاہر اور واضح ہے۔ ہم ان پر عمل پیرا ہوتے ہیں۔ آیات متشابہات وہ آیات ہیں جن کے معانی غیر واضح ہیں، عقلِ انسانی کی وہاں تک رسائی نہیں۔ ہم ان آیات میں تاویلات نہیں کرتے بلکہ ان کا معنی اللہ تعالیٰ کے حوالے کرتے ہیں۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿هُوَ الَّذِيٓ اَنْزَلَ عَلَيْكَ الْكِتٰبَ مِنْهُ اٰيٰتٌ مُّحْكَمٰتٌ هُنَّ اُمُّ الْكِتٰبِ وَاُخَرُ مُتَشٰبِهٰتٌ فَاَمَّا الَّذِيْنَ فِيْ قُلُوْبِهِمْ زَيْغٌ فَيَتَّبِعُوْنَ مَا تَشَابَهَ مِنْهُ ابْتِغَآءَ الْفِتْنَةِ وَابْتِغَآءَ تَاْوِيْلِهٖ وَمَا يَعْلَمُ تَاْوِيْلَهٗٓ اِلَّا اللّٰهُ وَالرّٰسِخُوْنَ فِي الْعِلْمِ يَقُوْلُوْنَ اٰمَنَّا بِهٖ كُلٌّ مِّنْ عِنْدِ رَبِّنَا وَمَا يَذَّكَّرُ اِلَّآ اُولُوا الْاَلْبَابِ﴾. (آل عمران:7)

ترجمہ: وہی اللہ ہے جس نے تم پر یہ کتاب نازل کی ہے، اس میں کچھ آیات محکمات ہیں جو کتاب کی اصل بنیاد ہیں اور دوسری متشابہات ہیں۔ اب جن لوگوں کے دلوں میں ٹیڑھ ہے وہ فتنے کی تلاش میں ان متشابہات کے پیچھے پڑے رہتے ہیں ور ان کی تاویلات کرنے میں لگے رہتے ہیں حالانکہ ان آیتوں کا صحیح صحیح مطلب اللہ کے علاوہ کوئی نہیں جانتا اور وہ لوگ جو علم میں پختہ کار ہیں وہ یہ کہتے ہیں کہ ہم ان پر ایمان لاتے ہیں۔ یہ سب کچھ ہمارے رب کی طرف سے ہے اور نصیحت وہی لوگ حاصل کرتے ہیں جو عقل والے ہیں۔

....

سوال: اگر متشابہات کا معنی اللہ تعالیٰ کے حوالے کرنا چاہیے تو بعض حضرات نے اس کا معنی کیوں کیا؟ جیسے ید کا معنی قدرت، عین کا معنی حفاظت اور ساق کا معنی شدت سے کیا ہے۔

جواب: متشابہات کا معنی درجہ یقین میں نہیں بلکہ درجہ ظن میں کیا ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ اہلِ بدعت (مجسمہ، جو اللہ تعالیٰ کے لیے جسم مانتے ہیں) جب ان الفاظ سے عوام الناس کو دھوکا دیتے اور اللہ تعالیٰ کے لیے اعضاء کو ثابت کرتے تو متاخرین اھل السنۃ والجماعۃ نے ان کا یہ معنی بیان کیا تاکہ عوام الناس فرقہ مجسمہ کے فتنے سے محفوظ رہ سکیں۔ علامہ کمال الدین محمد بن عبد الواحد الحنفی المعروف ابن الہمام (ت 861ھ) فرماتے ہیں:

”هٰذَا التَّاوِيْلُ لِهٰذِهِ الْاَلْفَاظِ لِمَا ذَكَرْنَا مِنْ صَرْفِ فَهْمِ الْعَامَّةِ عَنِ الْجِسْمِيَّةِ وَهُوَ يُمْكِنُ اَنْ يُّرَادَ وَلَا يُجْزَمَ بِاِرَادَتِهٖ“

(المسایرۃ مع المسامرۃ لابن الہمام: ص48 الاصل الثامن)

ترجمہ: ان الفاظ کی یہ تاویل جو ہم نے ذکر کی ہے ’عوام کی فہم کو ”عقیدۂ جسمیت“ سے بچانے کے لیے ہے اور یہ ممکن ہے کہ (ان الفاظ کا تاویلی معنی) مراد لیا جائے اور اس پر جزم (یعنی یقین) نہ کیا جائے۔

ید، عین، وجہ، ساق وغیرہ کلمات یہ اللہ تعالیٰ کی صفات ہیں۔ اگر ان کا معنی درجہ یقین میں بیان کیا جائے تو اس سے صفت باطل ہو جائے گی۔ درجہ ظن میں معنی بیان کرنے سے صفت بھی باطل نہیں ہوتی اور عوام الناس فرقہ مجسمہ کے فتنے سے بھی محفوظ ہو جاتے ہیں۔

موزوں پر مسح

[76]: وَنَرَى الْمَسْحَ عَلَى الْخُفَّيْنِ فِي السَّفَرِ وَالْحَضَرِ كَمَا جَاءَ فِي الْأَثَرِ.

ترجمہ: ہم سفر و حضر میں موزوں پر مسح کرنے کو جائز سمجھتے ہیں، جیسا کہ حدیث پاک میں اس کا بیان ہے۔

جہاد و حج

[77]: وَالْحَجُّ وَالْجِهَادُ فَرْضَانِ مَاضِيَانِ مَعَ أُولِي الْأَمْرِ مِنَ الْمُسْلِمِيْنَ بَرِّهِمْ وَفَاجِرِهِمْ إِلَى قِيَامِ السَّاعَةِ لَا يُبْطِلُهُمَا شَيْءٌ وَلَا يَنْقُضُهُمَا.

ترجمہ: حج اور جہاد ایسے دو فریضے ہیں جو مسلمانوں کے امیر کی زیر قیادت (قیامت قائم ہونے تک) جاری رہیں گے، چاہے امیر نیک ہو یا گناہ گار۔ کوئی چیز ان کو منسوخ کر سکتی ہے نہ ختم کر سکتی ہے۔

---

[76]: امام اعظم ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ سے مذہب اھل السنۃ والجماعۃ کے بارے میں پوچھا گیا تو آپ نے جواب دیا:

أَنْ تُفَضِّلَ الشَّيْخَيْنِ وَتُحِبَّ الْخَتَنَيْنِ وَتَرَى الْمَسْحَ عَلَى الْخُفَّيْنِ.

(البحر الرائق: ج1 ص288 کتاب الطہارۃ باب المسح علی الخفین)

ترجمہ: شیخین (حضرت ابو بکر صدیق اور حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہما) کی فضیلت کا قائل ہونا، ختنین (رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے دونوں داماد) سے محبت کرنا اور موزوں پر مسح کو جائز سمجھنا اھل السنۃ والجماعۃ کی علامت ہے۔

[77]: جہاد فی سبیل اللہ کے حوالے سے چند باتیں ملاحظہ ہوں:

1: ”جہاد“ کا ایک شرعی مفہوم و معنی ہے۔ اس کا معنی ”قتال فی سبیل اللہ“

....

متعین ہے۔ محض لغوی معنی کے پیش نظر ہر مشقت والے کام کو جہاد قرار دینا جائز نہیں۔ اس روش سے شرعی اصطلاحات کا مفہوم مسخ ہو جائے گا اور تحریف فی الدین کا ایسا دروازہ کھلے گا جو کبھی بند نہ ہو سکے گا۔ اس لیے محض لغت کو دیکھتے ہوئے شرعی معانی کا تعین کبھی نہ کیا جائے۔

2: عرف عام میں بھی قتال کرنے والوں کو ہی "مجاہدین" کہا جاتا ہے اور عرف عام کو بھی حکم شریعت بیان کرنے میں بہت دخل ہے۔ معنی جہاد میں تحریف یا تاویل کرنا عرف عام کو بھی بدل دے گا۔

3: جہاد فی سبیل اللہ کے فضائل قتال کے لیے ہی ہیں۔ باقی کسی دینی عمل پر فضائل جہاد کو چسپاں کرنے کی ضرورت نہیں کیونکہ ہر عمل کے لیے شریعت مطہرہ میں فضائل بیان کر دیے گئے ہیں۔

4: جس طرح نماز، زکوٰۃ، روزہ، حج کرنے والا شخص جہاد نہ کرے تو جہاد نہ کرنے کا گناہ تو ہو گا مگر اس کے مذکورہ اعمال اللہ تعالیٰ کے ہاں قبول ہوں گے۔ اسی طرح اگر جہاد کرنے والا نماز، زکوٰۃ، روزہ، حج نہ کرے تو ان اعمال کے نہ کرنے کا گناہ تو ہو گا مگر جہاد قبول ہو گا۔ ہر عمل کا اپنا اپنا مقام ہے۔

فائدہ: "حج اور جہاد قیامت تک جاری رہیں گے" کا یہ معنی نہیں کہ قیامت تک حج اور جہاد عملاً ہوتے رہیں بلکہ اس کا معنی یہ ہے کہ ان کا حکم قیامت تک باقی رہے گا کیونکہ ایسا ممکن ہے کہ کسی سال کسی ناگہانی آفت کی وجہ سے حج نہ ہو سکے یا دنیا میں کسی وقت عملاً جہاد نہ ہو سکے۔ تو اس وقت حکم حج و جہاد تو ہو گا اگرچہ عمل نہ ہو گا۔

کراماً کاتبین

[78]: وَنُؤْمِنُ بِالْكِرَامِ الْكَاتِبِيْنَ فَإِنَّ اللهَ قَدْ جَعَلَهُمْ عَلَيْنَا حَافِظِيْنَ

ترجمہ: ہم کراماً کاتبین پر ایمان رکھتے ہیں، اللہ تعالیٰ نے ان کو ہم پر نگران مقرر کیا ہے۔

مَلکُ الموت

[79]: وَنُؤْمِنُ بِمَلَكِ الْمَوْتِ الْمُوَكَّلِ بِقَبْضِ أَرْوَاحِ الْعَالَمِيْنَ.

ترجمہ: ہم ملک الموت پر بھی ایمان رکھتے ہیں جسے اہل جہاں کی ارواح قبض کرنے کا ذمہ دار بنایا گیا ہے۔

---

[78]: یہ دو فرشتے ہیں جو اللہ تعالیٰ نے ہر انسان کے ساتھ مقرر کیے ہیں۔ ایک دائیں کندھے پہ اور دوسرا بائیں پہ اور انسان کی نیکیاں اور برائیاں لکھتے رہتے ہیں۔

﴿وَإِنَّ عَلَيْكُمْ لَحٰفِظِيْنَ ○ كِرَامًا كَاتِبِيْنَ ○ يَعْلَمُوْنَ مَا تَفْعَلُوْنَ ○﴾

(الانفطار:10 تا12)

ترجمہ: تم پر کچھ نگران (فرشتے) مقرر ہیں یعنی کراماً کاتبین، تم جو کچھ کرتے ہو اسے وہ جانتے ہیں۔

[79]: ملک الموت کے ساتھ فرشتوں کی ایک جماعت ارواح قبض کرنے پر مامور ہے۔ملک الموت اس جماعت کی نگرانی کرتے ہیں۔ ارشاد باری ہے:

﴿حَتّٰى إِذَا جَآءَ أَحَدَكُمُ الْمَوْتُ تَوَفَّتْهُ رُسُلُنَا وَهُمْ لَا يُفَرِّطُوْنَ﴾.

(الانعام:61)

ترجمہ: یہاں تک کہ جب تم میں سے کسی کو موت آتی ہے تو ہمارے بھیجے ہوئے فرشتے اس کی روح قبض کرلیتے ہیں اور اس میں ذرہ برابر کوتاہی نہیں کرتے۔

ثواب وعذابِ قبر اور قبر میں سوال

[80]: وَبِعَذَابِ الْقَبْرِ لِمَنْ كَانَ لَهُ أَهْلًا وَسُؤَالِ مُنْكَرٍ وَنَكِيْرٍ فِيْ قَبْرِهٖ عَنْ رَبِّهٖ وَدِيْنِهٖ وَنَبِيِّهٖ عَلٰى مَا جَاءَتْ بِهِ الْأَخْبَارُ عَنْ رَسُوْلِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَعَنِ الصَّحَابَةِ رِضْوَانُ اللهِ عَلَيْهِمْ أَجْمَعِيْنَ.

ترجمہ: ہم قبر کے عذاب کو اس شخص کے لیے مانتے ہیں جو عذاب کا مستحق ہو اور منکر نکیر کے ان سوالوں کو بھی مانتے ہیں جو وہ مردے سے قبر میں اس کے رب، اس کے دین اور اس کے نبی کے بارے میں کریں گے جیسا کہ احادیث میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین سے منقول ہے۔

---

[80]: موت کے بعد قیامت سے پہلے قبر اور برزخ میں مردہ کے جسم سے روح کا اتنا تعلق قائم کر دیا جاتا ہے جس کی وجہ سے وہ منکر نکیر کے سوالات کے جوابات دیتا ہے۔ اس کے بعد اگر مؤمن ہو تو ثواب اور کافر ہو تو عذاب کو محسوس کرتا ہے۔ یہ عقیدہ قرآن کریم کی دس آیات اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ستر احادیث سے ثابت ہے جس میں کسی مسلمان کو شک وشبہ کی گنجائش نہیں۔

چند آیات اور احادیث ملاحظہ ہوں:

(1): اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿يُثَبِّتُ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا بِالْقَوْلِ الثَّابِتِ فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَفِي الْاٰخِرَةِ﴾. (ابراہیم:27)

ترجمہ: جو لوگ ایمان لائے ہیں اللہ ان کو اس مضبوط بات (یعنی کلمہ ایمان) کے ذریعے دنیا کی زندگی میں بھی ثابت قدم رکھتا ہے اور آخرت کی زندگی میں بھی۔

اس آیت کی تفسیر میں امام مسلم رحمۃ اللہ علیہ نے یہ حدیث نقل کی ہے:

....

عَنِ الْبَرَاءِ بْنِ عَازِبٍ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ : ﴿يُثَبِّتُ اللهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا بِالْقَوْلِ الثَّابِتِ﴾ قَالَ : نَزَلَتْ فِي عَذَابِ الْقَبْرِ، فَيُقَالُ لَهُ : مَنْ رَبُّكَ؟ فَيَقُولُ :رَبِّيَ اللّٰهُ، وَنَبِيِّي مُحَمَّدٌ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ، فَذٰلِكَ قَوْلُهُ عَزَّ وَجَلَّ: ﴿يُثَبِّتُ اللهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا بِالْقَوْلِ الثَّابِتِ فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَفِي الْاٰخِرَةِ﴾.

(صحیح مسلم: ج2ص386 کتاب التوبۃ. باب عرض مقعد المیت الخ)

ترجمہ: حضرت براء بن عازب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس آیت "يُثَبِّتُ اللهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا بِالْقَوْلِ الثَّابِتِ" کے متعلق فرمایا کہ یہ آیت عذاب قبر کے متعلق نازل ہوئی ہے۔ (میت کو جب قبر میں رکھا جاتا ہے تو) اس سے پوچھا جاتا ہے کہ تیرا رب کون ہے؟ وہ جواب دیتا ہے کہ میرا رب اللہ ہے اور میرے نبی محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔ (رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا) اللہ تعالیٰ کے فرمان "يُثَبِّتُ اللهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا بِالْقَوْلِ الثَّابِتِ فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَفِي الْاٰخِرَةِ" کا یہی مطلب ہے۔

(2): اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿اَلنَّارُ يُعْرَضُوْنَ عَلَيْهَا غُدُوًّا وَّعَشِيًّا وَيَوْمَ تَقُوْمُ السَّاعَةُ اَدْخِلُوْا اٰلَ فِرْعَوْنَ اَشَدَّ الْعَذَابِ﴾. (المؤمن:46)

ترجمہ: آگ ہے جس کے سامنے انہیں (آل فرعون کو) صبح وشام پیش کیا جاتا ہے اور جس دن قیامت قائم ہو گی (اس دن حکم ہو گا کہ) فرعون کے لوگوں کو سخت عذاب میں داخل کر دو۔

....

فرعونی لوگ اب قبر میں پڑے ہوئے ہیں، انہیں جہنم کی آگ میں داخل ہونے سے پہلے صبح شام آگ پر پیش کیا جانا دلیل ہے کہ انہیں قبر میں عذاب ہو رہا ہے۔ حافظ عماد الدین اسماعیل بن خطیب بن کثیر شافعی (ت774ھ) اس آیت کی تشریح میں لکھتے ہیں:

وَهٰذِهِ الْآيَةُ أَصْلٌ كَبِيْرٌ فِي اسْتِدْلَالِ أَهْلِ السُّنَّةِ عَلٰى عَذَابِ الْبَرْزَخِ فِي الْقُبُوْرِ وَهِيَ قَوْلُهُ ﴿اَلنَّارُ يُعْرَضُوْنَ عَلَيْهَا غُدُوًّا وَّعَشِيًّا﴾

(تفسیر ابن کثیر: ج5 ص451)

ترجمہ: یہ آیت ﴿اَلنَّارُ يُعْرَضُوْنَ عَلَيْهَا غُدُوًّا وَّعَشِيًّا﴾ اہل السنت کے اس موقف کی بہت بڑی دلیل ہے کہ قبروں میں عذاب برزخی ہو رہا ہے۔

(3): عَنْ عَائِشَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهَا أَنَّ يَهُوْدِيَّةً دَخَلَتْ عَلَيْهَا فَذَكَرَتْ عَذَابَ الْقَبْرِ فَقَالَتْ لَهَا: أَعَاذَكِ اللّٰهُ مِنْ عَذَابِ الْقَبْرِ فَسَأَلَتْ عَائِشَةُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنْ عَذَابِ الْقَبْرِ فَقَالَ: "نَعَمْ! عَذَابُ الْقَبْرِ حَقٌّ" قَالَتْ عَائِشَةُ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهَا فَمَا رَأَيْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بَعْدُ صَلّٰى صَلَاةً إِلَّا تَعَوَّذَ مِنْ عَذَابِ الْقَبْرِ.

(صحیح البخاری: ج1 ص183، باب ماجاء فی عذاب القبر)

ترجمہ: ام المؤمنین حضرت سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ ایک یہودی عورت ان کے پاس آئی۔ اس نے عذاب قبر کا تذکرہ کیا اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے کہنے لگی: اللہ تجھے عذاب قبر سے بچائے۔ تو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے عذاب قبر کے متعلق سوال کیا تو آپ صلی اللہ علیہ و سلم نے فرمایا: ہاں عذاب قبر ہوتا ہے، حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ اس

....

کے بعد میں نے دیکھا کہ جب بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز پڑھی تو عذاب قبر سے پناہ مانگی۔

(4): عَنْ عَمْرِو بْنِ مَيْمُوْنٍ قَالَ سَمِعْتُ عُمَرَ بْنَ الْخَطَّابِ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ يَقُولُ: كَانَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَتَعَوَّذُ مِنْ خَمْسٍ: "اَللّٰهُمَّ إِنِّي أَعُوْذُبِكَ مِنَ الْجُبْنِ وَالْبُخْلِ وَسُوءِ الْعُمُرِ وَفِتْنَةِ الصَّدْرِ وَعَذَابِ الْقَبْرِ.

(سنن النسائی: ج1 ص316 کتاب الاستعاذۃ باب الاستعاذہ من فتنۃ الدنیا)

ترجمہ: عمرو بن میمون رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ میں نے حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کو یہ فرماتے ہوئے سنا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پانچ چیزوں سے پناہ مانگتے تھے، (آپ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے تھے): اے اللہ! میں بزدلی، بخل، بری عمر، سینے کے فتنے اور عذاب قبر سے آپ کی پناہ مانگتا ہوں۔

(5): عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللهُ عَنْهُمَا مَرَّ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَلٰى قَبْرَيْنِ فَقَالَ: "إِنَّهُمَا لَيُعَذَّبَانِ وَمَا يُعَذَّبَانِ مِنْ كَبِيرٍ" ثُمَّ قَالَ: "بَلٰى! أَمَّا أَحَدُهُمَا فَكَانَ يَسْعٰى بِالنَّمِيمَةِ وَأَمَّا أَحَدُهُمَا فَكَانَ لَا يَسْتَتِرُ مِنْ بَوْلِه" قَالَ: ثُمَّ أَخَذَ عُوْدًا رَطْبًا فَكَسَرَهُ بِاثْنَتَيْنِ ثُمَّ غَرَزَ كُلَّ وَاحِدٍ مِنْهُمَا عَلٰى قَبْرٍ ثُمَّ قَالَ: "لَعَلَّهُ يُخَفَّفُ عَنْهُمَا مَا لَمْ يَيْبَسَا".

(صحیح البخاری: جلد1 ص184، باب عذاب القبر من الغیبۃ والبول)

ترجمہ: حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم دو قبروں کے قریب سے گذرے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ان دونوں کو عذاب ہو رہا ہے اور ان کو کسی بڑے گناہ کی وجہ سے عذاب نہیں ہو رہا، بلکہ ایک کو تو اس لیے عذاب ہو رہا ہے کہ وہ چغلی کیا کرتا تھا اور دوسرا پیشاب کی چھینٹوں سے نہیں

....

بچتا تھا۔ پھر آپ نے کھجور کی ایک تر ٹہنی لی اور اس کے دو ٹکڑے کئے، ان دو ٹکڑوں میں سے ہر ایک کی قبر پر ایک ایک ٹکڑا گاڑ دیا، پھر ارشاد فرمایا: جب تک یہ خشک نہیں ہوں گی ان کے عذاب میں تخفیف ہوتی رہے گی۔

(6): عَنِ الْبَرَاءِ بْنِ عَازِبٍ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ عَنْ أَبِي أَيُّوبَ رَضِيَ اللهُ عَنْهُمْ قَالَ خَرَجَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَقَدْ وَجَبَتِ الشَّمْسُ فَسَمِعَ صَوْتًا فَقَالَ: "يَهُودُ تُعَذَّبُ فِي قُبُورِهَا".

(صحیح البخاری: ج1 ص184 باب التعوذ من عذاب القبر)

ترجمہ: حضرت ابو ایوب انصاری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سورج غروب ہونے کے بعد نکلے۔ آپ نے ایک آواز سنی تو فرمایا: یہودیوں کو ان کی قبروں میں عذاب ہوتا ہے۔

(7): عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ قَالَ كَانَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَدْعُو: "اَللّٰهُمَّ إِنِّي أَعُوذُ بِكَ مِنْ عَذَابِ الْقَبْرِ وَمِنْ عَذَابِ النَّارِ وَمِنْ فِتْنَةِ الْمَحْيَا وَالْمَمَاتِ وَمِنْ فِتْنَةِ الْمَسِيحِ الدَّجَّالِ".

(صحیح البخاری: ج1 ص184 باب التعوذ من عذاب القبر)

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم دعا مانگتے ہوئے یوں فرمایا کہتے تھے: "أَللّٰهُمَّ إِنِّيْ أَعُوْذُ بِكَ مِنْ عَذَابِ الْقَبْرِ وَمِنْ عَذَابِ النَّارِ وَمِنْ فِتْنَةِ الْمَحْيَا وَالْمَمَاتِ وَمِنْ فِتْنَةِ الْمَسِيحِ الدَّجَّالِ" (ترجمہ: اے اللہ! میں تجھ سے عذاب قبر، عذاب جہنم، زندگی اور موت کے فتنے اور دجال کے فتنے سے پناہ مانگتا ہوں)

(8): عَنْ زَيْدِ بْنِ ثَابِتٍ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ قَالَ: بَيْنَمَا النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ

....

وَسَلَّمَ فِي حَائِطٍ لِّبَنِي النَّجَّارِ عَلٰى بَغْلَةٍ لَهٗ وَنَحْنُ مَعَهٗ إِذْ حَادَتْ بِهٖ فَكَادَتْ تُلْقِيهِ وَإِذَا أَقْبُرٌ سِتَّةٌ أَوْ خَمْسَةٌ أَوْ أَرْبَعَةٌ فَقَالَ: "مَنْ يَعْرِفُ أَصْحَابَ هٰذِهِ الْأَقْبُرِ ؟" فَقَالَ رَجُلٌ: أَنَا! قَالَ: "فَمَتٰى مَاتَ هٰؤُلَاءِ ؟" قَالَ: مَاتُوْا فِي الْإِشْرَاكِ. فَقَالَ: "إِنَّ هٰذِهِ الْأُمَّةَ تُبْتَلٰى فِي قُبُوْرِهَا فَلَوْلَا أَنْ لَا تَدَافَنُوْا لَدَعَوْتُ اللّٰهَ أَنْ يُسْمِعَكُمْ مِنْ عَذَابِ الْقَبْرِ الَّذِيْ أَسْمَعُ مِنْهُ."

(صحیح مسلم: ج2ص386 کتاب التوبۃ. باب عرض مقعد المیت الخ)

ترجمہ: حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک مرتبہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنی سواری پر سوار ہو کر بنی نجار کے باغ میں جا رہے تھے اور ہم لوگ بھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تھے کہ اچانک وہ سواری بدک گئی، قریب تھا کہ وہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو نیچے گرا دے۔ وہاں اس جگہ دیکھا کہ چھ، پانچ یا چار قبریں ہیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے دریافت فرمایا کہ کیا کوئی ان قبر والوں کو پہچانتا ہے؟ ایک آدمی نے عرض کیا: جی ہاں! میں ان قبر والوں کو جانتا ہوں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے پوچھا: یہ لوگ کب مرے ہیں؟ اس آدمی نے عرض کیا: یہ لوگ زمانہ شرک میں مرے ہیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ان لوگوں کو ان قبروں میں عذاب ہو رہا ہے، کاش کہ اگر مجھے یہ خیال نہ ہوتا کہ تم لوگ اپنے مردوں کو دفن کرنا چھوڑ دو گے تو میں اللہ تعالیٰ سے دعا کرتا کہ وہ تمہیں بھی قبر کا عذاب سنا دے جیسے میں سن رہا ہوں۔

[81]: وَالْقَبْرُ رَوْضَةٌ مِنْ رِيَاضِ الْجَنَّةِ أَوْ حُفْرَةٌ مِنْ حُفَرِ النِّيْرَانِ.

ترجمہ: قبر جنت کے باغوں میں سے ایک باغ ہوتی ہے یا جہنم کے گڑھوں میں سے ایک گڑھا۔

---

[81]: قبر میں جنت یا جہنم کا نظارہ کرایا جاتا ہے۔ اس لیے جنت کا باغ یا جہنم کا گڑھا کہنے سے مراد عرض جنت اور عرض جہنم ہے۔

عقیدہ حیات الانبیاء علیہم السلام

تمام انبیاء علیہم السلام کے اجساد عنصریہ وفات کے بعد اپنی زمینی قبور مبارکہ میں روح کے تعلق کے ساتھ زندہ ہوتے ہیں۔

دلائل از قرآن مجید:

(1): ﴿وَلَا تَقُوْلُوْا لِمَنْ يُّقْتَلُ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ اَمْوَاتٌ بَلْ اَحْيَاءٌ وَّلٰكِنْ لَّا تَشْعُرُوْنَ﴾. (البقرۃ:154)

ترجمہ: اور جو لوگ اللہ تعالیٰ کی راہ میں قتل کیے گئے اُن کو مردہ نہ کہو بلکہ وہ زندہ ہیں، لیکن تمہیں ان کی زندگی کا احساس نہیں ہوتا۔

حافظ ابو الفضل احمد بن علی ابن حجر عسقلانی الشافعی (ت852ھ) لکھتے ہیں:

وَإِذَا ثَبَتَ أَنَّهُمْ أَحْيَاءٌ مِنْ حَيْثُ النَّقْلِ فَإِنَّهُ يُقَوِّيْهِ مِنْ حَيْثُ النَّظْرِ كَوْنُ الشُّهَدَاءِ أَحْيَاءً بِنَصِّ الْقُرْآنِ وَالْأَنْبِيَاءُ أَفْضَلُ مِنَ الشُّهَدَاءِ.

(فتح الباری: ج6 ص595 باب قول اللہ واذکر فی الکتاب مریم)

ترجمہ: جب نقلی دلائل سے ان کا زندہ ہونا ثابت ہے تو عقلی دلائل بھی اس کی تائید کرتے ہیں (وہ اس طرح) کہ شہداء؛ نص قرآن کے رو سے زندہ ہیں اور انبیاء کرام علیہم السلام شہداء سے افضل ہیں (تو ان کو حیات بطریق اولیٰ حاصل ہوگی)

…………………………………………………………

(2): ﴿وَلَا تَحْسَبَنَّ الَّذِيْنَ قُتِلُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ اَمْوَاتًا بَلْ اَحْيَاءٌ عِنْدَ رَبِّهِمْ يُرْزَقُوْنَ﴾. (آل عمران:169)

ترجمہ: جو لوگ اللہ کی راہ میں قتل ہوئے ہیں انہیں مردہ نہ سمجھنا، بلکہ وہ زندہ ہیں، انہیں اپنے رب کے پاس رزق ملتا ہے۔

علامہ شمس الدین محمد بن عبد الرحمٰن سخاوی (ت902ھ) لکھتے ہیں:

وَمِنْ أَدِلَّةِ ذٰلِكَ أَيْضًا قَوْلُهٗ تَعَالٰى: ﴿وَلَا تَحْسَبَنَّ الَّذِيْنَ قُتِلُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ اَمْوَاتًا بَلْ اَحْيَاءٌ عِنْدَ رَبِّهِمْ يُرْزَقُوْنَ﴾ فَإِنَّ الشَّهَادَةَ حَاصِلَةٌ لَهٗ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَلٰى أَتَمِّ الْوُجُوْهِ لِأَنَّهٗ شَهِيْدُ الشُّهَدَاءِ وَقَدْ صَرَّحَ ابْنُ عَبَّاسٍ وَابْنُ مَسْعُوْدٍ وَغَيْرُهُمَا رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمْ بِأَنَّهٗ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَاتَ شَهِيْدًا. (القول البدیع للسخاوی: ص173 تحت العنوان: رسول اللہ حی علی الدوام)

ترجمہ: اور اس عقیدہ (حیاۃ النبی صلی اللہ علیہ وسلم) کے دلائل میں سے ایک دلیل اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: ﴿وَلَا تَحْسَبَنَّ الَّذِيْنَ قُتِلُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ اَمْوَاتًا بَلْ اَحْيَاءٌ عِنْدَ رَبِّهِمْ يُرْزَقُوْنَ﴾ اس لیے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو شہادت کامل طور پر حاصل ہے، کیونکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم شہیدوں کے سردار ہیں اور حضرت ابن عباس اور حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہما نے اس بات کی تصریح کی ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو شہادت کی موت عطا ہوئی ہے۔

(3): ﴿وَلَقَدْ اٰتَيْنَا مُوْسَى الْكِتٰبَ فَلَا تَكُنْ فِيْ مِرْيَةٍ مِّنْ لِّقَآئِهٖ﴾. (السجدۃ:23)

ترجمہ: اور ہم نے موسیٰ (علیہ السلام) کو کتاب دی، لہذا (اے نبی!) آپ ان کے

....

ملنے کے بارے میں کسی شک میں نہ رہیے۔

امام مسلم رحمہ اللہ نے حضرت امام قتادہ بن دعامہ (ت 117ھ) سے اس آیت کی یہ تفسیر نقل کی ہے:

﴿فَلَا تَكُنْ فِيْ مِرْيَةٍ مِّنْ لِّقَآئِهٖ﴾ قَالَ: كَانَ قَتَادَةُ يُفَسِّرُهَا أَنَّ نَبِيَّ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَدْ لَقِيَ مُوْسٰى عَلَيْهِ السَّلَامُ.

(صحیح مسلم: ج1 ص94، باب الاسراء برسول اللہ الخ)

ترجمہ: (یونس بن محمد فرماتے ہیں کہ) حضرت قتادہ اس آیت ﴿فَلَا تَكُنْ فِيْ مِرْيَةٍ مِّنْ لِّقَآئِهٖ﴾ کی تفسیر یوں فرماتے تھے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت موسیٰ علیہ السلام سے (سفر معراج میں) ملاقات کی ہے۔

(4): ﴿وَاسْئَلْ مَنْ أَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ مِنْ رُّسُلِنَا﴾.(الزخرف:45)

ترجمہ: اور آپ سے پہلے جو پیغمبر ہم نے بھیجے ہیں، آپ ان سے پوچھ لیجئے۔

حافظ عماد الدین اسماعیل بن خطیب ابن کثیر دمشقی شافعی (ت 774ھ) اس آیت کی تفسیر میں فرماتے ہیں:

وَقَالَ عَبْدُ الرَّحْمٰنِ بْنُ زَيْدِ بْنِ أَسْلَمَ: وَاسْأَلْهُمْ لَيْلَةَ الْإِسْرَاءِ فَإِنَّ الْأَنْبِيَاءَ عَلَيْهِمُ الصَّلٰوةُ وَالسَّلَامُ جُمِعُوْا لَهٗ. (تفسیر ابن کثیر: ج4 ص162)

ترجمہ: عبد الرحمن بن زید بن اسلم فرماتے ہیں کہ اس کلام ﴿وَاسْئَلْ مَنْ أَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ مِنْ رُسُلِنَا﴾ کا تعلق معراج کی رات کے ساتھ ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم معراج کی رات ان سے سوال کریں، اس لیے کہ انبیاء علیہم السلام کو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے جمع کر دیا گیا تھا۔

....

(5): ﴿يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَرْفَعُوْۤا اَصْوَاتَكُمْ فَوْقَ صَوْتِ النَّبِيِّ وَلَا تَجْهَرُوْا لَهٗ بِالْقَوْلِ كَجَهْرِ بَعْضِكُمْ لِبَعْضٍ اَنْ تَحْبَطَ اَعْمَالُكُمْ وَاَنْتُمْ لَا تَشْعُرُوْنَ﴾. (الحجرات:2)

ترجمہ: اے ایمان والو! اپنی آوازیں نبی کی آواز سے بلند نہ کرو، اور نہ ان سے بات کرتے ہوئے اس طرح زور سے بولا کرو جیسے تم ایک دوسرے سے زور سے بولتے ہو، ایسانہ ہو کہ تمہارے اعمال برباد ہو جائیں اور تمہیں پتہ بھی نہ چلے۔

شارح ابوداؤد مولانا خلیل احمد سہارنپوری (ت1346ھ) فرماتے ہیں:

"آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم حیات ہیں اور ایسی آواز سے سلام کرنا بے ادبی اور آپ کی ایذاء کا سبب ہے۔ لہذا پست آواز سے سلام عرض کرنا چاہیے۔ مسجد نبوی کی حد میں کتنی ہی پست آواز سے سلام عرض کیا جائے اس کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم خود سنتے ہیں۔"

(تذکرۃ الخلیل: ص370)

احادیث مبارکہ:

(1): عَنْ اَنَسٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَلْاَنْبِيَاءُ اَحْيَاءٌ فِيْ قُبُوْرِهِمْ يُصَلُّوْنَ.

(مسند ابی یعلی الموصلی: ص658 رقم الحدیث 3425 من حدیث انس بن مالک)

ترجمہ: حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: انبیاء علیہم السلام اپنی قبروں میں زندہ ہیں اور نمازیں پڑھتے ہیں۔

(2): عَنْ أَبِيْ هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ أَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ

....

مَا مِنْ أَحَدٍ يُسَلِّمُ عَلَيَّ إِلَّا رَدَّ اللهُ عَلَيَّ رُوحِي حَتّٰى أَرُدَّ عَلَيْهِ السَّلَامَ.

(سنن ابی داؤد: ج1 ص286 کتاب المناسک باب زیارۃ القبور)

ترجمہ: حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جب بھی کوئی آدمی مجھ پر سلام بھیجتا ہے تو اللہ تعالیٰ میری روح مجھ پر لوٹا دیتا ہے (یعنی متوجہ کر دیتا ہے) یہاں تک کہ میں اس کے سلام کا جواب دیتا ہوں۔

(3): عَنْ اَوْسِ بْنِ اَوْسٍ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: إِنَّ مِنْ اَفْضَلِ اَيَّامِكُمْ يَوْمَ الْجُمُعَةِ فِيْهِ خُلِقَ اٰدَمُ وَفِيْهِ قُبِضَ وَفِيْهِ النَّفْخَةُ وَفِيْهِ الصَّعْقَةُ فَاَكْثِرُوْا عَلَيَّ مِنَ الصَّلٰوةِ فِيْهِ فَاِنَّ صَلٰوتَكُمْ مَعْرُوْضَةٌ عَلَيَّ قَالَ قَالُوْا: يَا رَسُوْلَ اللهِ وَكَيْفَ تُعْرَضُ صَلَاتُنَا عَلَيْكَ وَقَدْ اَرَمْتَ قَالَ: يَقُوْلُوْنَ بَلَيْتَ، فَقَالَ: اِنَّ اللهَ عَزَّوَجَلَّ حَرَّمَ عَلَى الْاَرْضِ اَجْسَادَ الْاَنْبِيَاءِ.

(سنن ابی داؤد: ج1 ص157 باب تفریع ابواب الجمعۃ)

ترجمہ: حضرت اوس بن اوس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تمہارے دنوں میں بہتر جمعہ کا دن ہے، اسی دن آدم علیہ السلام پیدا ہوئے، اسی دن ان کا انتقال ہوا، اسی دن صور پھونکا جائے گا، اسی دن دوبارہ اٹھنا ہے اس لئے تم جمعہ کے دن مجھ پر کثرت سے درود پڑھا کرو کیونکہ تمہارا درود مجھ پر پیش کیا جاتا ہے۔ صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین نے عرض کیا: یارسول اللہ! ہمارا درود آپ پر کیسے پیش کیا جائے گا جب کہ آپ تو ریزہ ریزہ ہو چکے ہوں گے ؟! آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اللہ تعالیٰ نے زمین

....

پر حضرات انبیاء کرام علیہم السلام کے اجساد حرام کر دیئے ہیں۔(یعنی زمین ان کو نہیں کھاتی)

(4): عَنْ أَبِيْ هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: "مَنْ صَلّٰى عَلَيَّ عِنْدَ قَبْرِيْ سَمِعْتُهُ وَمَنْ صَلّٰى عَلَيَّ نَائِيًا أُبْلِغْتُهُ"

(شعب الایمان للبیہقی: ج2ص218باب فی تعظیم النبی صلی اللہ علیہ وسلم واجلالہ)

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو شخص میری قبر کے پاس مجھ پر درود پڑھتا ہے میں اس کو خود سنتا ہوں اور جو شخص دور سے مجھ پر درود بھیجتا ہے وہ میرے پاس پہنچا دیا جاتا ہے۔

(5): عَن اَنَسِ بْنِ مَالِكٍ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ اَنَّ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: اَتَيْتُ -وَفِيْ رِوَايَةِ هَدَّابٍ: مَرَرتُ- عَلٰى مُوسٰى لَيلَةَ اُسرِيَ بِيْ عِنْدَالْكَثِيْبِ الاَحْمَرِ وَهُوَ قَائِمٌ يُّصَلِي فِيْ قَبرِهٖ.

(صحیح مسلم: ج2ص268کتاب الفضائل باب من فضائل موسیٰ علیہ السلام)

ترجمہ: حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: شب معراج میرا گزر حضرت موسیٰ علیہ السلام کے پاس سرخ ٹیلے کے قریب سے ہوا، تو دیکھا کہ وہ اپنی قبر میں کھڑے نماز پڑھ رہے ہیں۔

اجماع امت:

(1): علامہ محمد بن عبد الرحمٰن سخاوی رحمہ اللہ (م902ھ) فرماتے ہیں:

وَ نَحْنُ نُؤْمِنُ وَ نُصَدِّقُ بِأَنَّهٗ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ حَيٌّ يُرْزَقُ فِيْ قَبْرِهٖ وَ أَنَّ جَسَدَهُ الشَّرِيْفَ لَا تَأْكُلُهُ الْأَرْضُ وَالْإِجْمَاعُ عَلٰى هٰذَا. (القول البدیع: ص172)

....

ترجمہ: ہم یہ ایمان رکھتے ہیں اور اس کی تصدیق کرتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ و سلم اپنی قبر مبارک میں زندہ ہیں، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو وہاں رزق بھی ملتا ہے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے جسد اطہر کو مٹی بھی نہیں کھاتی اور اس عقیدہ پر اجماع ہے۔

(2): شیخ محمد بن علان الصدیق الشافعی (1057ھ) فرماتے ہیں:

وَالْإِجْمَاعُ عَلٰى أَنَّهٗ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ حَيٌّ فِيْ قَبْرِهٖ عَلَى الدَّوَامِ.

(دلیل الفالحین لطرق ریاض الصالحین ج:7ص:195-196)

ترجمہ: اس بات پر اجماع ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اپنی قبر میں دائمی طور پر زندہ ہیں۔

(3): علامہ داؤد بن سلیمان البغدادی (ت1299ھ) فرماتے ہیں:

وَالْحَاصِلُ أَنَّ حَيَاةَ الْأَنْبِيَاءِ عَلَيْهِمُ السَّلَامُ ثَابِتَةٌ بِالْإِجْمَاعِ.

(المنحۃ الوھبیۃ: ص7)

ترجمہ: حاصل یہ ہے کہ حضرات انبیاء علیہم السلام کی حیات اجماع سے ثابت ہے۔

(4): حضرت شیخ عبد الحق محدث الدہلوی رحمہ اللہ (ت1052ھ) فرماتے ہیں:

.باید حیات انبیاء متفق علیہ است ہیچ کس رادروئے خلاف نیست حیات جسمانی دنیاوی حقیقی نہ حیات معنوی روحانی. (اشعۃ اللمعات: ج1ص574)

ترجمہ: یہ بات یادرکھنی چاہیے کہ انبیاء علیہم السلام کی حیات ایک متفق علیہ (اجماعی) عقیدہ ہے اور (اہلِ حق میں سے) کسی کا اس میں اختلاف نہیں اور یہ حیات جسمانی دنیوی اور حقیقی ہے نہ کہ (محض) حیات معنوی اور روحانی۔

(5): قطب الاقطاب حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی (ت1322ھ) فرماتے ہیں:

....

مگر انبیاء علیہم السلام کے سماع میں کسی کو اختلاف نہیں۔ (فتاویٰ رشیدیہ ص:173)

(6): حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانوی (ت 1362ھ) فرماتے ہیں:

بہر حال یہ بات باتفاقِ امت ثابت ہے کہ انبیاء علیہم السلام قبر میں زندہ رہتے ہیں۔ (اشرف الجواب ص:321)

(7): حضرت مولانا خیر محمد جالندھری (ت 1390ھ) فرماتے ہیں:

عالم برزخ میں جملہ انبیاء علیہم السلام کی حیات حقیقیہ دنیویہ بجسدھم العنصری کا مسئلہ اہل السنت والجماعت میں متفق علیہ مسئلہ ہے۔ (القول النقی فی حیات النبی: ص30)

(8): مولانا محمد ادریس کاندھلوی (ت 1394ھ) فرماتے ہیں:

تمام اھل السنت والجماعت کا اجماعی عقیدہ ہے کہ حضرات انبیاء کرام علیہم السلام وفات کے بعد اپنی قبروں میں زندہ ہیں۔ (سیرت المصطفیٰ: ج3 ص249)

(9): مفکر اسلام مفتی محمود (ت 1400ھ) فرماتے ہیں:

یہ امر بھی علماء اہل سنت والجماعت کے نزدیک مسلم اور مجمع علیہ ہے کہ بحالت موجود یعنی عالم برزخ میں آپ جسمانی حیات سے زندہ ہیں۔

(القول النقی فی حیات النبی: ص32)

(10): شہید اسلام مولانا محمد یوسف لدھیانوی شہید (ت 1413ھ) لکھتے ہیں:

حضرات انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام بالخصوص سید الانبیاء سیدنا حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا اپنی قبر شریفہ میں حیات ہونا اور حیات کے تمام لوازم کے ساتھ متصف ہونا برحق اور قطعی ہے اور اس پر امت کا اجماع ہے۔

(آپ کے مسائل اور ان کا حل: ج1 ص261)

بَعث یوم القیامۃ

[82]: وَنُؤْمِنُ بِالْبَعْثِ وَجَزَاءِ الْأَعْمَالِ يَوْمَ الْقِيَامَةِ وَالْعَرْضِ وَالْحِسَابِ وَقِرَاءَةِ الْكِتَابِ وَالثَّوَابِ وَالْعِقَابِ وَالصِّرَاطِ وَالْمِيزَانِ يُوزَنُ فِيهِ أَعْمَالُ الْمُؤْمِنِينَ مِنَ الْخَيْرِ وَالشَّرِّ وَالطَّاعَةِ وَالْمَعْصِيَةِ.

ترجمہ: ہم بروز قیامت اٹھائے جانے، اعمال کا بدلہ ملنے، خدا تعالیٰ کے حضور پیش ہونے، حساب کتاب ہونے، اعمال نامہ پڑھے جانے، ثواب وعذاب ملنے، پل صراط پر گزرنے اور اس میزان پر ایمان رکھتے ہیں جس میں مؤمنین کے اچھے وبرے اعمال اور فرمانبرداری ونافرمانی کا وزن کیا جائے گا۔

---

[82]: امام طحاوی رحمہ اللہ نے آٹھ چیزیں بیان کی ہیں، ان پر بھی ایمان ضروری ہے۔ بعث سے لیکر جنت وجہنم میں داخل ہونے تک ان مراحل سے گزرنا پڑتا ہے:

ا: بعث: موت آتی ہے اور مردے کو قبر میں رکھا جاتا ہے تو اسے تعلق ؛روح حیات مل جاتی ہے۔ پھر حشر کے دن صور پھونکا جائے گا تو اسے دوبارہ حیات نہیں ملے گی (کہ وہ تو موجود ہے) بلکہ اس وقت بعث ہو گی، کیونکہ قبر میں جو حیات ملی تھی وہ محسوس نہ ہونے والی اور مخفی حیات تھی، اب میدان حشر میں بندوں کو جب کھڑا کر دیا جائے گا تو جو حیات مخفی تھی اب ظاہر ہو جائے گی۔ اس لیے اسے لفظ ”بعث“ (اٹھانا) سے تعبیر کیا گیا ہے۔ بعض مرتبہ اس بعث کو لفظ ”احیاء“ سے بھی تعبیر کر دیتے ہیں، اس وقت اس کا معنی یہ ہوتا ہے کہ قبر میں جو حیات مخفی تھی اور نظر نہیں آ رہی تھی اب بعث کے بعد وہ حیات ظاہراً ہے اور نظر آ رہی ہے۔ اس لیے لفظ ”احیاء“ سے قبر کی حیات کی نفی ہر گز نہیں ہوتی۔

....

☼ ﴿ثُمَّ اِنَّكُمۡ يَوۡمَ الۡقِيٰمَةِ تُبۡعَثُوۡنَ﴾.(المؤمنون:16)

ترجمہ: پھر قیامت کے دن تمہیں اٹھایا جائے گا۔

۲: جزاء الاعمال: دنیا دارالعمل ہے اور آخرت دار الجزاء ہے۔اس لیے دنیا میں اچھے اعمال کیے یا برے قیامت کے دن ان کا بدلہ دیا جائے گا۔

☼ ﴿هَلۡ تُجۡزَوۡنَ اِلَّا مَا كُنۡتُمۡ تَعۡمَلُوۡنَ﴾.(النمل:90)

ترجمہ: تمہیں تمہارے اعمال کا بدلہ ضرور دیا جائے گا۔

☼ ﴿لِيَجۡزِىَ الَّذِيۡنَ اَسَآءُوۡا بِمَا عَمِلُوۡا وَيَجۡزِىَ الَّذِيۡنَ اَحۡسَنُوۡا بِالۡحُسۡنٰى﴾. (النجم:31)

ترجمہ: نتیجہ یہ کہ جنہوں نے برے کام کیے اللہ تعالیٰ ان کو بدلہ دے گا اور جنہوں نے نیک کام کیے ہیں ان کو بہترین بدلہ عطا کرے گا۔

۳: عرض: اللہ کے حضور بندہ اپنے اعمال کے ساتھ پیش ہو گا، یہ برحق ہے۔

☼ ﴿وَعُرِضُوۡا عَلٰى رَبِّكَ صَفًّا﴾.(الکہف:48)

ترجمہ: وہ لوگ آپ کے رب کے سامنے پیش ہوں گے۔

☼ ﴿يَوۡمَ يَقُوۡمُ النَّاسُ لِرَبِّ الۡعٰلَمِيۡنَ﴾.(المطففین:6)

ترجمہ: جس دن لوگ پروردگار عالم کے سامنے کھڑے ہوں گے۔

۴: حساب کتاب: بندے کے تمام اعمال کا حساب ہو گا۔

☼ ﴿اَلۡيَوۡمَ تُجۡزٰى كُلُّ نَفۡسٍۢ بِمَا كَسَبَتۡ لَا ظُلۡمَ الۡيَوۡمَ اِنَّ اللّٰهَ سَرِيۡعُ الۡحِسَابِ﴾.(الغافر:17)

ترجمہ: آج (قیامت) کے دن ہر شخص کو اپنے کیے کا بدلہ ملے گا۔ آج ظلم نہیں ہو گا۔

....

بے شک اللہ تعالیٰ جلدی حساب لینے والے ہیں۔

۵:اعمال نامہ پڑھا جانا:

☼ ﴿وَنُخْرِجُ لَهُ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ كِتٰبًا يَّلْقٰهُ مَنْشُوْرًا ○ اِقْرَاْ كِتٰبَكَ كَفٰى بِنَفْسِكَ الْيَوْمَ عَلَيْكَ حَسِيْبًا﴾.(الاسراء:13،14)

ترجمہ: ہم اس کا اعمال نامہ قیامت کے دن ایک تحریر کی شکل میں نکال کر اس کے سامنے کر دیں گے جسے وہ کھلا ہوا دیکھے گا(اس سے کہا جائے گا کہ) لو! اپنا اعمال نامہ پڑھ لو! آج تم خود اپنا حساب لینے کے لیے کافی ہو۔

۶:ثواب وعذاب: دنیا میں اگر اچھے کام کیے ہوں تو ان پر ثواب ملے گا اور اگر برے اعمال کیے ہوں تو بدلہ عذاب کی صورت میں ملے گا۔

☼ ﴿فَمَنْ يَّعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ خَيْرًا يَّرَهٗ وَمَنْ يَّعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ شَرًّا يَّرَهٗ﴾

(الزلزال:7،8)

ترجمہ: جس شخص نے ذرہ برابر بھی اچھائی کی ہو گی وہ اسے دیکھے گا اور جس نے ذرہ برابر بھی برائی کی ہو گی وہ بھی اسے دیکھے گا۔

۷:پل صراط: جہنم کے اوپر موجود ایک پل ہے جو بال سے زیادہ باریک اور تلوار سے زیادہ تیز ہے۔ پانچ سو سال چڑھتے ہوئے، پانچ سو سال گزرتے ہوئے اور پانچ سو سال اترتے ہوئے لگیں گے۔ انسان اپنے اعمال کے اعتبار سے اس پر گزریں گے کوئی بجلی کی کڑک کی طرح تیز ہوں گے، کوئی ہوا کی طرح، کوئی گھوڑے کی رفتار اور کوئی اونٹ کی رفتار حتی کہ کوئی گھسٹ کر چل رہا ہو گا۔ نافرمان اور کافر اس سے گر کر جہنم رسید ہوں گے۔

....

☼ ﴿وَاِنۡ مِّنۡكُمۡ اِلَّا وَارِدُهَا كَانَ عَلٰی رَبِّكَ حَتۡمًا مَّقۡضِيًّا ثُمَّ نُنَجِّى الَّذِيۡنَ اتَّقَوْا وَّنَذَرُ الظّٰلِمِيۡنَ فِيۡهَا جِثِيًّا﴾ (مریم:71،72)

ترجمہ: تم میں سے ہر ایک کا اس جہنم پر گزر ہو گا، اس کا تمہارے رب نے حتمی طور پر ذمہ لے رکھا ہے۔ پھر جنہوں نے تقویٰ اختیار کیا ہے تو ہم انہیں نجات دے دیں گے اور جو ظالم ہیں انہیں اس حالت میں چھوڑ دیں گے کہ وہ (جہنم میں) گھٹنوں کے بل پڑے ہوں گے۔

۸: میزان: قیامت کے دن ایک ترازو قائم کیا جائے گا، اس میں اعمال کو تولا جائے گا اور وزن کی بنیاد اخلاص پر ہو گی۔

☼ ﴿وَالۡوَزۡنُ يَوۡمَئِذِ ۨالۡحَقُّ ۚ فَمَنۡ ثَقُلَتۡ مَوَازِيۡنُهٗ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الۡمُفۡلِحُوۡنَ﴾

(الاعراف:8)

ترجمہ: قیامت کے دن اعمال کا وزن ہونا برحق ہے۔ جن کے ترازو کے پلڑے بھاری ہوں گے تو وہی لوگ کامیاب ہوں گے۔

☼ ﴿وَنَضَعُ الۡمَوَازِيۡنَ الۡقِسۡطَ لِيَوۡمِ الۡقِيٰمَةِ فَلَا تُظۡلَمُ نَفۡسٌ شَيۡـًٔا ؕ وَاِنۡ كَانَ مِثۡقَالَ حَبَّةٍ مِّنۡ خَرۡدَلٍ اَتَيۡنَا بِهَا ؕ وَكَفٰى بِنَا حٰسِبِيۡنَ﴾. (الانبیاء:47)

ترجمہ: اور ہم قیامت کے دن ایسے ترازو قائم کریں گے جو سراپا انصاف ہوں گے۔ کسی پر کوئی ظلم نہیں ہو گا اور اگر کوئی عمل رائی کے دانے کے برابر بھی ہو گا تو ہم اسے بھی سامنے لے آئیں گے اور حساب لینے کے لیے ہم کافی ہیں۔

جنت و جہنم

[83]: وَالْجَنَّةُ وَالنَّارُ مَخْلُوقَتَانِ لَا تَفْنَيَانِ أَبَدًا وَلَا تَبِيدَانِ فَإِنَّ اللهَ تَعَالَى خَلَقَ الْجَنَّةَ وَالنَّارَ قَبْلَ الْخَلْقِ وَخَلَقَ لَهُمَا أَهْلًا فَمَنْ شَاءَ مِنْهُمْ إِلَى الْجَنَّةِ أَدْخَلَهُ فَضْلًا مِنْهُ وَمَنْ شَاءَ مِنْهُمْ إِلَى النَّارِ اَدْخَلَهُ عَدْلًا مِنْهُ وَكُلٌّ يَعْمَلُ لِمَا قَدْ فُرِغَ لَهُ وَصَائِرٌ إِلَى مَا خُلِقَ لَهُ.

ترجمہ: جنت و جہنم پیدا کی جا چکی ہیں، یہ کبھی فنا ہوں گی نہ ختم ہوں گی۔ اللہ تعالیٰ نے مخلوق کو پیدا کرنے سے پہلے ہی سے جنت و جہنم کو پیدا کر لیا تھا اور جنہوں نے ان میں جانا تھا ان کو بھی پیدا کیا۔ اللہ تعالیٰ نے جس کو چاہا اپنے فضل سے جنت کا حقدار بنایا اور جس کو چاہا اپنے قانونِ عدل سے جہنم کا مستحق بنایا۔ ہر شخص وہی عمل کرتا ہے جس کے لیے اسے فارغ کیا گیا ہے اور اسی طرف چل رہا ہے جس کے لیے اسے پیدا کیا گیا ہے۔

---

[83]: سوال: جنت و جہنم فنا نہیں ہوں گی، یہ عقیدہ قرآن کریم کی ان آیات کے خلاف ہے۔

﴿كُلُّ مَنْ عَلَيْهَا فَانٍ وَّيَبْقٰى وَجْهُ رَبِّكَ ذُو الْجَلٰلِ وَالْاِكْرَامِ﴾

(الرحمٰن:26:27)

ترجمہ: اس زمین پر جو کوئی ہے وہ فنا ہونے والا ہے اور صرف تمہارے پروردگار کی جلال والی اور فضل و کرم والی ذات باقی رہے گی۔

﴿كُلُّ شَيْءٍ هَالِكٌ اِلَّا وَجْهَهٗ لَهُ الْحُكْمُ وَاِلَيْهِ تُرْجَعُوْنَ﴾ (القصص:88)

ترجمہ: ہر چیز فنا ہونے والی ہے سوائے اس کی ذات کے، حکومت اسی کی ہے اور اسی کی طرف تمہیں لوٹایا جائے گا۔

جواب: جنت اور جہنم میں فناء عملی نہیں البتہ فناء امکانی ہے کہ اللہ تعالیٰ چاہیں تو فناء

خیر وشر

[84]: وَالْخَيْرُ وَالشَّرُّ مُقَدَّرَانِ عَلَى الْعِبَادِ.

ترجمہ: بندے کا خیر وشر اس کے مقدر میں لکھا جاچکا ہے۔

کر سکتے ہیں گو کہ فناء کریں گے نہیں، اور ذات باری تعالیٰ میں نہ فناء عملی ہے اور نہ ہی فناء امکانی۔

فائدہ: جنت اور جہنم کے علاوہ چھے چیزیں اور بھی ہیں جو فنا نہیں ہوں گی: عرش، کرسی، عجب الذنب (ریڑھ کی ہڈی)، ارواح، لوح اور قلم۔

[84]: اللہ تعالیٰ کے علم میں تھا کہ وہ بندے کو اختیار دیں گے تو بندہ اختیار سے یہ کام کرے گا یہ علمِ الٰہی ہوا، اور اللہ تعالیٰ نے لکھ دیا کہ بندہ یہ کام کرے گا یہ امرِ الٰہی ہوا۔ اب علمِ الٰہی؛ امرِ الٰہی کے خلاف ہو یا امرِ الٰہی؛ علمِ الٰہی کے خلاف ہو ایسا نہیں ہو سکتا۔ تو تقدیر صرف "علمِ الٰہی" کا نام نہیں بلکہ تقدیر علمِ الٰہی اور امرِ الٰہی کے مجموعے کا نام ہے۔ اور بندہ مجبور محض ہو ایسا بھی نہیں کیونکہ بندہ اپنے اختیار سے کام کر رہا ہے۔

☼ ﴿وَخَلَقَ كُلَّ شَيْءٍ فَقَدَّرَهُ تَقْدِيرًا﴾. (الفرقان:2)

ترجمہ: اللہ تعالیٰ نے تمام چیزوں کو پیدا فرمایا اور ہر ایک کی تقدیر بھی لکھ دی ہے۔

☼ ﴿وَكَانَ أَمْرُ اللهِ قَدَرًا مَّقْدُورًا﴾. (الاحزاب:38)

ترجمہ: اللہ تعالیٰ کا حکم ایک قطعی طے شدہ فیصلہ ہوتا ہے۔

فائدہ: اللہ تعالیٰ کے جو فیصلے بندہ کے نفس، خواہش اور مزاج کے موافق ہوں ان کو "تقدیرِ خیر" اور جو فیصلے نفس، خواہش اور مزاج کے خلاف ہوں انہیں "تقدیرِ شر" کہتے ہیں، وگرنہ اللہ تعالیٰ کے سارے فیصلے اپنی ذات کے اعتبار سے خیر ہی ہوتے ہیں۔

[85]: وَالِاسْتِطَاعَةُ الَّتِيْ يَجِبُ بِهَا الْفِعْلُ مِنْ نَحْوِ التَّوْفِيْقِ الَّذِيْ لَا يَجُوْزُ أَنْ يُوْصَفَ الْمَخْلُوْقُ بِهِ (تَكُوْنُ) مَعَ الْفِعْلِ وَأَمَّا الِاسْتِطَاعَةُ مِنْ جِهَةِ الصَّحَّةِ وَالْوُسْعِ وَالتَّمْكِيْنِ وَسَلَامَةِ الْآلَاتِ فَهِيَ قَبْلَ الْفِعْلِ وَبِهَا يَتَعَلَّقُ الْخِطَابُ وَهِيَ كَمَا قَالَ تَعَالٰى: ﴿لَا يُكَلِّفُ اللّٰهُ نَفْسًا اِلَّا وُسْعَهَا﴾.

ترجمہ: وہ استطاعت جس کی وجہ سے بندہ کوئی کام کر سکے اور وہ بندے کے اختیار میں بھی نہیں ہوتی ایسی استطاعت فعل کے ساتھ ساتھ ہوتی ہے جیسے توفیق کا ملنا، اور استطاعت بمعنی صحت، گنجائش، طاقت اور اسباب کا میسر ہونا یہ فعل سے پہلے حاصل ہوتی ہے، اسی استطاعت کی بناء پر بندے کو مکلف بنایا جاتا ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں ﴿لَا يُكَلِّفُ اللّٰهُ نَفْسًا اِلَّا وُسْعَهَا﴾ کہ اللہ تعالیٰ ہر ایک کو اس کی طاقت کے بقدر ہی مکلف بناتے ہیں۔

---

[85]: استطاعت کی دو قسمیں ہیں:

1: توفیق کا ملنا 2: صحت و سلامتی اور اسباب و آلات کا میسر ہونا

استطاعت بمعنی توفیق بندے کے اختیار میں نہیں بلکہ یہ اللہ تعالیٰ کے اختیار میں ہے۔ اللہ اگر توفیق اور قدرت دے تو بندہ عمل کرتا ہے اور واجب کی ادائیگی سے عہدہ بر آ ہوتا ہے، اور اگر اسے یہ قدرت حاصل نہ ہو تو بندہ فعل نہیں کر پاتا۔ یہ استطاعت فعل کے ساتھ ملی ہوتی ہے یعنی بندہ اگر کسی کام کا ارادہ کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ اسے اس کام کی توفیق عطا فرماتے ہیں۔ ارادہ نیک ہو تو نیک کام کی توفیق اور ارادہ برا ہو تو برے کام کی توفیق مل جاتی ہے۔ قرآن کریم میں ہے:

﴿مَا كَانُوْا يَسْتَطِيْعُوْنَ السَّمْعَ وَمَا كَانُوْا يُبْصِرُوْنَ﴾. (ھود:20)

ترجمہ: وہ لوگ نہ سننے کی استطاعت نہیں رکھتے تھے اور نہ ان کو کچھ سجھائی دیتا تھا۔

افعالِ عباد

[86]: وَأَفۡعَالُ الۡعِبَادِ (هِيَ) خَلۡقُ اللّٰهِ وَ كَسۡبٌ مِنَ الۡعِبَادِ.

ترجمہ: بندوں کے افعال اللہ تعالیٰ کے پیدا کردہ اور بندوں کے کسب کردہ ہیں۔

اس آیت میں آلات واسباب کی نفی مراد نہیں ہے کیونکہ کان، آنکھ تو انہیں دے دیے گئے تھے بلکہ یہاں استطاعت بمعنی توفیق کی نفی ہے کہ حق تو ان کو سنایا اور دکھایا جاتا تھا لیکن ان کے پاس فعل کے ساتھ ہونے والی استطاعت اور قدرت نہیں تھی اس لیے حق کو سن اور دیکھ نہ سکے۔

استطاعت کی دوسری قسم پر مکلف ہونے کا مدار ہے یعنی جو شخص آلات واسباب نہیں رکھتا اسے اس کام کی استطاعت نہیں ہوتی۔ نتیجۃً ایسے شخص کو اللہ کام کرنے کا مکلف نہیں بناتے اور جس شخص کو آلات واسباب میسر ہوں تو اسے مکلف بنایا جاتا ہے۔ یہ استطاعت فعل سے پہلے ہوتی ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

☼ ﴿وَلِلّٰهِ عَلَى النَّاسِ حِجُّ الۡبَيۡتِ مَنِ اسۡتَطَاعَ اِلَيۡهِ سَبِيۡلًا﴾

(آل عمران:97)

ترجمہ: اللہ تعالیٰ کے لیے بیت اللہ کا حج ان لوگوں پر فرض ہے جو اس تک جانے کی طاقت رکھتے ہوں۔

یعنی فعلِ حج سے پہلے اگر بندے کے پاس سفر کے اخراجات اور گھر والوں کے نان نفقے کا خرچ ہو تب تو حج فرض ہے ورنہ نہیں۔

فائدہ: جس طرح انسان بقدرِ وسعت احکام کا مکلف ہوتا ہے اسی طرح بقدر عقل مکلف ہوتا ہے۔

[86]: برے فعل کو پیدا کرنا برا نہیں لیکن اسے کرنا برا ہے۔ جیسے ایک طبیب زہر

[87]: وَلَمْ يُكَلِّفْهُمُ اللهُ تَعَالىٰ إِلَّا مَا يُطِيْقُوْنَ وَلَا يُطِيْقُوْنَ إِلَّا مَا كَلَّفَهُمْ وَهُوَ تَفْسِيْرُ "لَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ إِلَّا بِاللهِ" نَقُوْلُ: لَا حِيْلَةَ لِأَحَدٍ وَلَا حَرَكَةَ لِأَحَدٍ وَلَا تَحَوُّلَ لِأَحَدٍ عَنْ مَعْصِيَةِ اللهِ إِلَّا بِمَعُوْنَةِ اللهِ وَلَا قُوَّةَ لِأَحَدٍ عَلىٰ إِقَامَةِ طَاعَةِ اللهِ وَالثَّبَاتِ عَلَيْهَا إِلَّا بِتَوفِيْقِ اللهِ.

ترجمہ: اللہ تعالیٰ نے بندوں کو اسی کام کا مکلف بنایا ہے جس کی وہ طاقت رکھتے ہیں اور بندے اسی کام کی طاقت رکھتے ہیں جس کا انہیں مکلف بنایا گیا ہے۔ ”لَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ إِلَّا بِاللهِ“ کا یہی معنی ہے یعنی اللہ تعالیٰ کی نافرمانی سے بچنے کا کوئی حیلہ، حرکت اور طاقت بندے کو اللہ تعالیٰ کی مدد کے بغیر حاصل نہیں ہوتی اور اللہ تعالیٰ کی فرماں برداری اور اس پر ثابت قدمی کی قوت بھی اللہ کی توفیق کے بغیر حاصل نہیں ہوتی۔

بھی تیار کرتا ہے اور خمیرہ بھی لیکن زہر سے بچنے اور خمیرہ کھانے کی ہدایت کرتا ہے۔ کوئی شخص زہر کھالے اور الزام طبیب کو دے کہ اس کا قصور ہے کہ اس سے زہر بنایا ہے، اگر یہ زہر نہ بناتا تو میں کیسے کھاتا؟! تو اس شخص کا یہ الزام دینا غلط ہوگا۔ اس لیے کہ طبیب کا زہر تیار کرنا کسی حکمت کے پیش نظر ہے نہ اس لیے کہ یہ شخص اسے کھائے۔ اللہ تعالیٰ کی ذات بندوں کے افعال کی خالق ہے۔ اعمالِ سیئہ کی تخلیق بھی کسی حکمت (امتحان و آزمائش وغیرہ) کے پیش نظر ہے۔

[87]: ”اللہ تعالیٰ کی توفیق کے بغیر بندہ گناہ سے بچ سکتا ہے نہ نیک اعمال کر سکتا ہے تو مجبور محض ہوا، پھر آخرت میں مواخذہ کیوں؟“ اس کا جواب یہ ہے کہ اسبابِ خیر یا اسبابِ شر بندہ اختیار کرتا ہے اور اس پر قدرت اور توفیق اللہ تعالیٰ دیتے ہیں۔ بندہ اگر اسباب اختیار ہی نہ کرتا تو اسے توفیق اور قدرت حاصل ہی نہ ہوتی۔ اس لیے بندہ مجبور محض نہ ہوا اور آخرت کا مواخذہ درست قرار پایا۔

[88]: وَكُلُّ شَيْءٍ يَجْرِي بِمَشِيئَةِ اللهِ عَزَّ وَجَلَّ وَعِلْمِهِ وَقَضَائِهِ وَقَدَرِهِ غَلَبَتْ مَشِيئَتُهُ الْمَشِيئَاتِ كُلَّهَا وَغَلَبَ قَضَاؤُهُ الْحِيَلَ كُلَّهَا يَفْعَلُ مَا يَشَاءُ وَهُوَ غَيْرُ ظَالِمٍ أَبَدًا ﴿لَا يُسْأَلُ عَمَّا يَفْعَلُ وَهُمْ يُسْأَلُونَ﴾

ترجمہ: ہر کام اللہ تعالیٰ کی مشیت، علم، فیصلہ اور تقدیر کے مطابق ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کی چاہت دیگر تمام لوگوں کی چاہتوں پر غالب ہے اور اللہ تعالیٰ کا فیصلہ انسان کی ساری تدبیروں پر غالب آتا ہے۔ وہ جو چاہتا ہے کرتا ہے اور کبھی کسی پر ظلم نہیں کرتا۔ (ارشاد باری تعالیٰ ہے) اللہ تعالیٰ جو کرے اس بارے میں اس سے نہیں پوچھا جاتا اور بندوں سے ان کے کیے کے بارے میں پوچھا جائے گا۔

---

[88]: امام طحاوی رحمۃ اللہ علیہ نے مشیت، علم، قضاء اور قدر کے الفاظ استعمال فرمائے ہیں۔ ان کی مختصر وضاحت پیش ہے:

◆ **مشیت:** اللہ تعالیٰ کی مشیت کا معنی یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے چاہا کہ میں بندوں کو نیکی اور برائی کا اختیار دوں، اب بندے کی مرضی کہ نیکی والا اختیار استعمال کر کے نیک کام کرے یا برائی والا اختیار استعمال کر کے گناہ کرے۔ اللہ تعالیٰ کا اپنی چاہت سے دونوں اختیار دینا "مشیت" ہے۔

◆ **علم:** دنیا میں جو کچھ ہو گا وہ اللہ تعالیٰ پہلے سے جانتے ہیں۔ مثلاً ایک شخص نے اپنے اختیار سے اطاعت والے کام کرنے ہیں یا نافرمانی کا ارتکاب کرنا ہے، یہ پہلے سے اللہ تعالیٰ کو معلوم ہے۔

◆ **قضاء:** اس سے مراد یہ ہے کہ بندہ جب کسی کام کے لیے اسبابِ خیر یا اسبابِ شر اختیار کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کام کے ہونے کا فیصلہ فرما دیتے ہیں۔

[89]: وَفِيْ دُعَاءِ الْأَحْيَاءِ لِلْأَمْوَاتِ وَصَدَقَاتِهِمْ مَنْفَعَةٌ لِلْأَمْوَاتِ.

ترجمہ: زندہ لوگوں کے دعا کرنے سے اور صدقہ کرنے سے مردوں کو نفع پہنچتا ہے۔

◆ **قدر:** اللہ تعالیٰ کو علم تھا کہ بندوں نے فلاں فلاں کام کرنے ہیں تو اللہ تعالیٰ نے اس کو لکھ لیا۔ یہی قدر اور تقدیر ہے۔

[89]: انسان عمل کر کے اجر خود لے تو اسے "ثواب" کہتے ہیں اور عمل کر کے اس کا اجر کسی اور کو دے تو اسے "ایصال ثواب" کہتے ہیں۔ اھل السنۃ والجماعۃ کے ہاں ثواب اور ایصال ثواب دونوں برحق ہیں۔

☼ قرآن مجید میں اہل ایمان کی دعا کا یوں ذکر ہے:

﴿رَبَّنَا اغْفِرْ لَنَا وَلِإِخْوَانِنَا الَّذِيْنَ سَبَقُوْنَا بِالْإِيْمَانِ﴾.(الحشر:10)

ترجمہ: اے ہمارے پروردگار! ہماری مغفرت فرمایئے اور ہمارے ان بھائیوں کی بھی جو ہم سے پہلے ایمان لا چکے ہیں۔

☼ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

إِذَا مَاتَ الْإِنْسَانُ انْقَطَعَ عَنْهُ عَمَلُهُ إِلَّا مِنْ ثَلَاثَةٍ ؛ إِلَّا مِنْ صَدَقَةٍ جَارِيَةٍ أَوْ عِلْمٍ يُنْتَفَعُ بِهِ أَوْ وَلَدٍ صَالِحٍ يَدْعُوْ لَهُ.

(صحیح مسلم: ج2 ص41 کتاب الوصیۃ باب ما یلحق الانسان من الثواب بعد وفاتہ)

ترجمہ: جب انسان مر جاتا ہے تو تین چیزوں کے علاوہ اس کے سارے عمل ختم ہو جاتے ہیں؛ ایک صدقہ جاریہ، دوسرا علم جس سے فائدہ اٹھایا جا رہا ہو اور تیسرا نیک اولاد جو اس کے لیے دعا کرتی ہے۔

مزید تفصیل بندہ کی مرتب کردہ فائل "ایصال ثواب" میں ملاحظہ فرمائیں۔

[90]: وَاللّٰہُ تَعَالیٰ یَسْتَجِیْبُ الدَّعْوَاتِ وَیَقْضِی الْحَاجَاتِ.

ترجمہ: اللہ تعالیٰ لوگوں کی دعاؤں کو قبول فرماتے ہیں اور ان کی ضرورتیں پوری فرماتے ہیں۔

[91]: وَیَمْلِکُ کُلَّ شَیْءٍ وَلَا یَمْلِکُہٗ شَیْءٌ وَلَا غِنٰی عَنِ اللّٰہِ تَعَالیٰ طَرْفَۃَ عَیْنٍ وَمَنِ اسْتَغْنٰی عَنِ اللّٰہِ طَرْفَۃَ عَیْنٍ فَقَدْ کَفَرَ وَصَارَ مِنْ أَھْلِ الْحَیْنِ.

ترجمہ: اللہ تعالیٰ ہر چیز کے مالک ہیں اور اللہ کا کوئی مالک نہیں۔ پلک جھپکنے کے برابر بھی کوئی شخص اللہ سے مستغنی نہیں ہو سکتا۔ جو شخص پلک جھپکنے کے برابر خود کو اللہ سے مستغنی سمجھے وہ کافر ہے اور گناہ گار ہے۔

---

[90]: جب بندہ دعا میں اللہ تعالیٰ سے کوئی چیز مانگتا ہے تو کبھی اللہ تعالیٰ بعینہ وہی چیز عطا فرماتے ہیں، کبھی اس مطلوبہ چیز کے بجائے بندے پر آنے والی مصیبت کو دور فرما دیتے ہیں اور کبھی اس کا اجر ذخیرہ فرما لیتے ہیں اور آخرت میں عطا کریں گے۔ اس لیے دعاؤں کا خوب اہتمام کرنا چاہیے۔ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

مَنْ لَمْ یَسْأَلِ اللّٰہَ یَغْضَبْ عَلَیْہِ.

(سنن الترمذی: ج2 ص175 ابواب الدعوات)

ترجمہ: جو بندہ اللہ تعالیٰ سے نہیں مانگتا تو اللہ تعالیٰ اس پر ناراض ہو جاتے ہیں۔

[91]: اللہ تعالیٰ ہر چیز کا مالک ہے۔ اسے اختیارات کلی حاصل ہیں۔ جسے چاہے عطا فرمائے، جسے چاہے محروم رکھے، جسے چاہے بادشاہ بنا دے اور جسے چاہے فقیر بنا دے۔ اسے سب اختیار ہے لیکن بندہ اپنے تمام کاموں میں اللہ تعالیٰ کا محتاج ہے اور لمحہ بھر کے لیے بھی اللہ تعالیٰ سے بے نیاز نہیں ہو سکتا۔

[92]: وَإِنَّ اللهَ تَعَالٰى يَغْضَبُ وَيَرْضٰى لَا كَأَحَدٍ مِنَ الْوَرٰى.

ترجمہ: اللہ تعالیٰ غصہ فرماتے ہیں اور راضی بھی ہوتے ہیں لیکن اللہ تعالیٰ کا غصہ اور رضامندی مخلوق کی طرح نہیں۔

☼ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿قُلِ اللّٰهُمَّ مٰلِكَ الْمُلْكِ تُؤْتِي الْمُلْكَ مَنْ تَشَآءُ وَتَنْزِعُ الْمُلْكَ مِمَّنْ تَشَآءُ وَتُعِزُّ مَنْ تَشَآءُ وَتُذِلُّ مَنْ تَشَآءُ بِيَدِكَ الْخَيْرُ اِنَّكَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ﴾

(آل عمران:26)

ترجمہ: کہہ دیجیے کہ اے اللہ! اے اقتدار کے مالک! تو جس کو چاہتا ہے حکومت دیتا ہے اور جس سے چاہتا ہے حکومت چھین لیتا ہے، جس کو چاہتا ہے عزت بخشتا ہے اور جس کو چاہتا ہے رسوا کر دیتا ہے۔ تمام تر بھلائیاں تیرے قبضہ قدرت میں ہیں، یقیناً تو ہر چیز پر قادر ہے۔

☼ مزید ارشاد ہے:

﴿يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ اَنْتُمُ الْفُقَرَآءُ اِلَى اللهِ وَاللهُ هُوَ الْغَنِيُّ الْحَمِيْدُ﴾

(فاطر:15)

ترجمہ: اے لوگو! تم سب اللہ کے محتاج ہو اور اللہ بے نیاز اور ہر تعریف کا مستحق ہے۔

[92]: صفتِ رضا اور صفتِ غضب اللہ تعالیٰ کے لیے ثابت ہیں لیکن مخلوق کی رضا اور غضب کی طرح نہیں۔ بندہ جب خواہش کے مطابق کوئی واقعہ یا کوئی چیز دیکھے تو خوش ہو جاتا ہے، مزاج کے خلاف دیکھے تو غصہ ہو جاتا ہے۔ بندے کا خوش ہونا یا غصہ ہونا اس واقعہ یا اس چیز سے اثر قبول کرنے کی بنا پر ہے یعنی اس واقعہ یا چیز نے بندے کی پہلی والی کیفیت کو تبدیل کر کے نئی کیفیت کو پیدا کر دیا ہے۔ اسے صفت انفعال اور

حبِ صحابہ رضی اللہ عنہم

[93]: وَنُحِبُّ أَصْحَابَ رَسُوْلِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَلَا نُفْرِطُ فِيْ حُبِّ أَحَدٍ مِنْهُمْ وَلَا نَتَبَرَّأُ مِنْ أَحَدٍ مِنْهُمْ وَنُبْغِضُ مَنْ يُبْغِضُهُمْ وَبِغَيْرِ الْخَيْرِ يَذْكُرُهُمْ وَلَا نَذْكُرُهُمْ إِلَّا بِخَيْرٍ وَنَرَى حُبَّهُمْ دِيْنًا وَإِيْمَانًا وَإِحْسَانًا وَبُغْضَهُمْ كُفْرًا وَنِفَاقًا وَطُغْيَانًا.

ترجمہ: ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ سے محبت کرتے ہیں البتہ کسی کی محبت میں غلو کرتے ہیں نہ کسی سے براءت کرتے ہیں۔ ہم ایسے شخص سے بغض رکھتے ہیں جو ان سے بغض رکھے اور برائی سے ان کا تذکرہ کرے۔ ہم جب بھی صحابہ کا تذکرہ کریں گے تو خیر ہی سے کریں گے۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے محبت کو دین، ایمان اور احسان سمجھتے ہیں اور ان سے نفرت کرنے کو کفر، منافقت اور سرکشی سمجھتے ہیں۔

صفت تاثر (فاعل کے اثر کو قبول کرنے کی صفت) کہتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کی ذات اور صفات کیفیات سے پاک ہے اس لیے صفت انفعال اور تاثر سے بھی پاک ہے۔ تو اللہ تعالیٰ کے لیے صفتِ رضا اور صفتِ غضب ثابت ہیں لیکن مخلوق کی رضا اور غضب کی طرح نہیں ہیں۔

☼ ﴿لَقَدْ رَضِيَ اللّٰهُ عَنِ الْمُؤْمِنِيْنَ اِذْ يُبَايِعُوْنَكَ تَحْتَ الشَّجَرَةِ﴾ (الفتح:18)

ترجمہ: اللہ ان ایمان والوں سے راضی ہوا جب وہ درخت کے نیچے آپ سے بیعت کر رہے تھے۔

☼ ﴿يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَتَوَلَّوْا قَوْمًا غَضِبَ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ﴾. (الممتحنۃ:13)

ترجمہ: اے ایمان والو! ان لوگوں سے دوستی نہ کرو جن پر اللہ کا غضب نازل ہوا۔

[93]: حافظ ابو الفضل احمد بن علی ابن حجر عسقلانی الشافعی (ت852ھ) نے صحابی

....

کی یہ تعریف کی ہے:

وَهُوَ مَنْ لَقِيَ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مُؤْمِنًا بِهِ وَمَاتَ عَلَى الْإِسْلَامِ. (نزھۃ النظر شرح نخبۃ الفکر لابن حجر العسقلانی: ص133)

ترجمہ: جس نے اللہ کے نبی سے ایمان کی حالت میں ملاقات کی ہو اور ایمان کی حالت میں ہی وفات ہوئی ہو۔

ملنے کی دو صورتیں ہوتی ہیں: بالقصد ہو تو "زیارت" اور بلا قصد ہو تو "لقاء"، تعریف میں لفظ "لقاء" ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ اگر کوئی شخص رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس ایمان لانے کے ارادے سے آئے تو بھی صحابی ہے اور اگر ایمان لانے کا قصد لے کر نہ آئے لیکن محفل میں آکر ایمان قبول کر لے تو وہ بھی صحابی ہے۔ اسی طرح لقاء کے لیے زیادہ وقت درکار نہیں بلکہ ایمان کے ساتھ ایک لمحہ کے لیے بھی صحبت میسر ہو جائے تب بھی صحابی ہے۔

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اس امت کا اعلیٰ ترین طبقہ ہیں۔ ان سے محبت جزو ایمان ہے اور ان سے بغض اور نفرت کرنا سرکشی اور گمراہی ہے۔ اھل السنۃ والجماعۃ تمام صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے محبت کرتے ہیں، کسی خاص صحابی کی محبت میں غلو نہیں کرتے اور نہ ہی کسی صحابی سے براءت کرتے ہیں۔

☼ ﴿وَالسّٰبِقُوْنَ الْاَوَّلُوْنَ مِنَ الْمُهٰجِرِيْنَ وَالْاَنْصَارِ وَالَّذِيْنَ اتَّبَعُوْهُمْ بِاِحْسَانٍ رَّضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمْ وَرَضُوْا عَنْهُ﴾ (التوبۃ:100)

ترجمہ: مہاجرین اور انصار میں سے جو لوگ پہلے ایمان لائے، اور جنہوں نے نیکی کے ساتھ ان کی پیروی کی، اللہ ان سب سے راضی ہے اور وہ اللہ سے راضی ہیں۔

خلافتِ راشدہ

[94]: وَنُثْبِتُ الْخِلَافَةَ بَعْدَ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَوَّلًا لِأَبِي بَكْرٍ الصِّدِّيقِ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ تَفْضِيلًا لَهُ وَتَقْدِيمًا عَلَى جَمِيعِ الْأُمَّةِ ثُمَّ لِعُمَرَ بْنِ الْخَطَّابِ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ ثُمَّ لِعُثْمَانَ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ ثُمَّ لِعَلِيِّ بْنِ أَبِي طَالِبٍ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ وَهُمُ الْخُلَفَاءُ الرَّاشِدُونَ وَالْأَئِمَّةُ الْمُهْتَدُونَ الَّذِيْنَ قَضَوْا بِالْحَقِّ وَكَانُوْا بِهٖ يَعْدِلُوْنَ.

ترجمہ: ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد سب سے پہلے حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کے لیے خلافت مانتے ہیں کیونکہ آپ ہی پوری امت میں سب سے افضل اور مقدم ہیں۔ پھر حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کے لیے، پھر حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے لیے، پھر حضرت علی ابن طالب رضی اللہ عنہ کے لیے مانتے ہیں۔ یہی چار خلفاء راشدین اور ہدایت یافتہ امام ہیں جنہوں نے حق وراستی سے اپنی ذمہ داریاں نبھائیں اور برحق فیصلے کیے۔

☼ حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

فَلَوْ أَنَّ أَحَدَكُمْ أَنْفَقَ مِثْلَ أُحُدٍ ذَهَبًا مَا بَلَغَ مُدَّ أَحَدِهِمْ وَلَا نَصِيفَهُ

(صحیح البخاری: ج1 ص518 کتاب المناقب باب قول النبی صلی اللہ علیہ وسلم لو کنت متخذ اخلیلا)

ترجمہ: اگر کوئی شخص احد پہاڑ کے برابر سونا بھی خرچ کرلے تب بھی میرے صحابی کے ایک آدھا مُد جَو خرچ کرنے کے برابر نہیں ہو سکتا۔

[94]: "خلفاء راشدین" سے مراد وہ خلفاء ہیں جن کی خلافت کا ذکر آیت استخلاف میں موجود ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

....

﴿وَعَدَ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مِنْكُمْ وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ لَيَسْتَخْلِفَنَّهُمْ فِي الْاَرْضِ كَمَا اسْتَخْلَفَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ وَلَيُمَكِّنَنَّ لَهُمْ دِيْنَهُمُ الَّذِي ارْتَضٰى لَهُمْ وَلَيُبَدِّلَنَّهُمْ مِّنْ بَعْدِ خَوْفِهِمْ اَمْنًا يَّعْبُدُوْنَنِيْ لَا يُشْرِكُوْنَ بِيْ شَيْـًٔا وَّمَنْ كَفَرَ بَعْدَ ذٰلِكَ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْفٰسِقُوْنَ﴾ (سورۃ النور:55)

ترجمہ: تم میں سے جو لوگ ایمان لائے ہیں اور جنہوں نے نیک اعمال کیے ہیں ان سے اللہ نے وعدہ کیا ہے کہ وہ انہیں ضرور زمین میں اپنا خلیفہ بنائے گا جس طرح ان سے پہلے لوگوں کو بنایا تھا اور ان کے لیے اس دین کو ضرور اقتدار بخشے گا جسے ان کے لیے پسند کیا ہے اور ان کو جو خوف لاحق رہا ہے اس کے بدلے انہیں ضرور امن عطا کرے گا۔ وہ میری عبادت کریں، میرے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھہرائیں، اور جو لوگ اس کے بعد بھی ناشکری کریں گے تو ایسے لوگ نافرمان شمار ہوں گے۔

اس آیت میں دو باتیں ملحوظ ہیں۔ "اٰمَنُوْا" (صیغہ ماضی) اور "مِنْكُمْ" (ضمیر حاضر) یعنی جو ایمان لا چکے ہوں اور خطاب کے وقت موجود ہوں۔ معلوم ہوا کہ خلافت کا وعدہ ان لوگوں سے ہے جو نزولِ آیت کے وقت موجود تھے اور نزول سے پہلے ایمان بھی لا چکے تھے۔ خلفاء اربعہ حضرت ابو بکر صدیق، حضرت عمر بن خطاب، حضرت عثمان اور حضرت علی رضی اللہ عنہم ہی وہ حضرات ہیں جن میں یہ دونوں باتیں پائی جاتی ہیں کہ یہ چاروں نزول آیت کے وقت موجود تھے اور ایمان لا چکے تھے۔ حضرت امیر معاویہ اس وقت مسلمان نہیں ہوئے تھے، حضرت حسن اور حضرت عبد اللہ بن زبیر رضی اللہ عنہما اس وقت نابالغ تھے۔ اس لیے یہ حضرات خلفاء راشدین میں شامل نہیں ہوں گے۔

....

حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانوی (ت 1362ھ) کے افادات پر مشتمل تفسیر "احکام القرآن" میں اس آیت کے تحت ذکر کیے گئے فوائد میں فائدہ نمبر 2 کے تحت لکھا ہے:

فِيْهِ دَلَالَةٌ عَلٰى صِحَّةِ إِمَامَةِ الْخُلَفَاءِ الْأَرْبَعَةِ أَيْضًا لِأَنَّ اللهَ اسْتَخْلَفَهُمْ فِي الْأَرْضِ وَمَكَّنَ لَهُمْ كَمَا جَاءَ الْوَعْدُ وَلَا يَدْخُلُ فِيْهِمْ مُعَاوِيَةُ لِأَنَّهُ لَمْ يَكُنْ مُؤْمِنًا فِيْ ذٰلِكَ الْوَقْتِ. (احکام القرآن: ج16 ص260)

ترجمہ: یہ آیت خلفاء اربعہ کی امامت (وخلافت) کے صحیح ہونے کی دلیل ہے کیونکہ اس وعدہ کے مطابق انہی چار کو اللہ تعالیٰ نے خلافت وحکومت عطا فرمائی ہے۔ اس خلافت موعودہ میں حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ شامل نہیں کیونکہ نزول آیت کے وقت وہ مسلمان نہیں ہوئے تھے۔

خلاصہ یہ کہ "خلافت راشدہ" ایک اصطلاح ہے جس سے مراد وہ خلفاء ہیں جن کی خلافت کا وعدہ قرآن مجید میں ہے اور وہ صرف چار ہی ہیں۔

فائدہ: حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کا خلیفہ ہونا آپ رضی اللہ عنہ کے پوری امت میں سب سے افضل اور مقدم ہونے کی وجہ سے ہے۔ افضل ہونے کی کئی ایک وجوہ ہیں۔ چند ایک ملاحظہ ہوں:

1: صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی باقی تمام امت پر فضیلت کی وجہ "صحابیت" یعنی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی صحبت کا میسر ہونا ہے۔ جس صحابی کو یہ صحبت جتنی زیادہ ملی ہو گی وہ اتنا افضل ہو گا۔ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ وہ واحد صحابی ہیں جنہیں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی صحبت سب سے زیادہ نصیب ہوئی ہے۔ آپ رضی اللہ عنہ

عَشرہ مبَشَّرہ

[95]: وَإِنَّ الْعَشَرَةَ الَّذِيْنَ سَمَّاهُمْ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَبَشَّرَهُمْ بِالْجَنَّةِ نَشْهَدُ لَهُمْ بِالْجَنَّةِ عَلٰى مَا شَهِدَ لَهُمْ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَقَوْلُهُ الْحَقُّ وَهُمْ: أَبُوْ بَكْرٍ وَعُمَرُ وَعُثْمَانُ وَعَلِيٌّ وَطَلْحَةُ وَالزُّبَيْرُ وَسَعْدٌ وَسَعِيدٌ وَعَبْدُ الرَّحْمٰنِ بْنُ عَوْفٍ وَأَبُوْ عُبَيْدَةَ بْنُ الْجَرَّاحِ وَهُوَ أَمِيْنُ هٰذِهِ الْأُمَّةِ رِضْوَانُ اللهِ عَلَيْهِمْ أَجْمَعِيْنَ.

ترجمہ: وہ دس صحابہ جن کا نام لے کر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں جنت کی بشارت دی ہے ہم ان کے جنتی ہونے کی گواہی دیتے ہیں اس لیے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے جنتی ہونے کی گواہی دی ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی بات بالکل سچی ہے۔ وہ دس حضرات یہ ہیں: حضرت ابو بکر، حضرت عمر، حضرت عثمان، حضرت علی، حضرت طلحہ، حضرت زبیر، حضرت سعد، حضرت سعید، حضرت عبد الرحمن بن عوف اور اس امت کے امین حضرت ابو عبیدہ بن جراح رضی اللہ عنہم۔

سب سے پہلے ایمان لائے اور پیغمبر پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات تک ساتھ رہے۔ اس لیے باقی صحابہ رضی اللہ عنہم سے افضل ہوئے۔

:2 آپ رضی اللہ عنہ ہی وہ واحد صحابی ہیں جنہیں قرآن مجید نے "صاحب" (یعنی صحابی) کہاہے۔ تو آپ رضی اللہ عنہ کا صحابی ہونا قرآن سے ثابت ہوا۔

[95]: ان صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو "عشرہ مبشرہ بالجنۃ" کہتے ہیں۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سارے جنتی ہیں لیکن ان دس کے جنتی ہونے کا معنی یہ ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک مجلس میں ان دس کے جنتی ہونے کی خوشخبری سنائی ہے۔

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم

[96]: وَمَنْ أَحْسَنَ الْقَوْلَ فِيْ أَصْحَابِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَأَزْوَاجِهِ الطَّاهِرَاتِ مِنْ كُلِّ دَنَسٍ وَذُرِّيَّاتِهِ الْمُقَدَّسِيْنَ مِنْ كُلِّ رِجْسٍ فَقَدْ بَرِءَ مِنَ النِّفَاقِ.

ترجمہ: جو شخص رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ، آپ کی ازواج مطہرات اور آپ کی پاکیزہ اولاد کے بارے میں اچھی بات کرے تو ایسا شخص منافق نہیں ہو سکتا۔

سلف صالحین

[97]: وَعُلَمَاءُ السَّلَفِ مِنَ السَّابِقِيْنَ وَمَنْ بَعْدَهُمْ مِنَ التَّابِعِيْنَ -أَهْلُ الْخَيْرِ وَالْأَثَرِ وَأَهْلُ الْفِقْهِ وَالنَّظَرِ- لَا يُذْكَرُوْنَ إِلَّا بِالْجَمِيْلِ وَمَنْ ذَكَرَهُمْ بِسُوْءٍ فَهُوَ عَلٰى غَيْرِ السَّبِيْلِ.

ترجمہ: پہلے والے علماء اور ان کے متبعین علماء جو نیک سیرت محدثین اور صاحب نظر فقہاء ہیں، ان کا تذکرہ اچھے الفاظ میں کرنا چاہیے اور جو ان کی برائی کرے وہ سیدھے راستے پر نہیں۔

---

[96]: یعنی ان تین قسم کے افراد صحابہ کرام، ازواجِ مطہرات اور اولاد پیغمبر رضی اللہ عنہم اجمعین کے بارے میں حسنِ اعتقاد ضروری ہے۔ ان سب کے بارے میں سوءِ ظن رکھنا یا بعض سے محبت اور بعض سے نفرت رکھنا نفاق کی علامت ہے۔

[97]: سلف صالحین اور تابعین حضرات کا تذکرہ اچھے الفاظ سے کرنا چاہیے۔ ان کی برائی کرنے سے اجتناب کرنا چاہیے کیونکہ یہ وہ حضرات ہیں جن کی خیر اور نیکی کی گواہی خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے دی ہے۔

[98]: وَلَا نُفَضِّلُ أَحَدًا مِنَ الْأَوْلِيَاءِ عَلَى أَحَدٍ مِنَ الْأَنْبِيَاءِ عَلَيْهِمُ السَّلَامُ وَنَقُولُ: نَبِيٌّ وَاحِدٌ أَفْضَلُ مِنْ جَمِيعِ الْأَوْلِيَاءِ.

ترجمہ: ہم کسی ولی کو کسی نبی سے افضل نہیں سمجھتے بلکہ ہمارا عقیدہ ہے کہ فقط ایک نبی تمام اولیاء سے افضل ہے۔

کراماتِ اولیاء

[99]: وَنُؤْمِنُ بِمَا جَاءَ مِنْ كَرَامَاتِهِمْ وَصَحَّ عَنِ الثِّقَاتِ مِنْ رِوَايَاتِهِمْ.

ترجمہ: اولیاء کی کرامات کو ہم برحق سمجھتے ہیں اور جو قصے معتبر حضرات سے مروی ہیں، ان کو بھی درست سمجھتے ہیں۔

---

[98]: ایک نبی کا مقام امت کے تمام اولیاء سے بڑھ کر ہے۔ اس کی چند وجوہ ہیں:

۱: نبوت وہبی ہے جو کہ اللہ تعالیٰ کے انتخاب اور عطا فرمانے سے ملتی ہے، یہ کسبی چیز نہیں کہ عبادات وریاضات سے مل جائے۔ اس لیے نبی انتخابِ خدا ہونے کی وجہ سے تمام اولیاء امت سے افضل ہوتا ہے۔ تمام اولیاء مل کر بھی ایک نبی کے برابر نہیں ہوسکتے۔

۲: نبی بھی صاحبِ ایمان ہوتا ہے اور ولی بھی صاحبِ ایمان ہوتا ہے لیکن نبی کا ایمان اصل ہوتا ہے اور ولی کا ایمان نسل ہوتا ہے اور اصل نسل سے افضل ہوتا ہے۔

[99]: کراماتِ اولیاء برحق ہیں۔ راہِ اعتدال یہی ہے کہ کراماتِ اولیاء کا انکار بھی نہ کیا جائے اور کرامات کو دیکھ کر اولیاء اللہ کو مشکل کشا اور حاجت روا بھی نہ سمجھا جائے بلکہ کرامت کو فعلِ خدا سمجھ کر ولی کے بجائے کے خدا سے مانگا جائے۔

علاماتِ قیامت

[100]: وَنُؤْمِنُ بِأَشْرَاطِ السَّاعَةِ مِنْهَا: خُرُوجُ الدَّجَّالِ، وَنُزُوْلُ عِيسَى بْنِ مَرْيَمَ عَلَيْهِ السَّلَامُ مِنَ السَّمَاءِ وَنُؤْمِنُ بِطُلُوْعِ الشَّمْسِ مِنْ مَغْرِبِهَا، وَخُرُوْجِ دَابَّةِ الْأَرْضِ مِنْ مَوْضِعِهَا.

ترجمہ: ہم علامات قیامت پر ایمان رکھتے ہیں مثلاً خروجِ دجال، حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا آسمان سے نازل ہونا، سورج کا مغرب سے طلوع ہونا، دابۃ الارض کا اپنی جگہ (کوہِ صفا) سے نکلنا وغیرہ۔

---

[100]: علاماتِ قیامت دو قسم کی ہیں؛ علامات صغریٰ اور علامات کبریٰ۔ علامات صغریٰ سے مراد وہ علامتیں ہیں جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی پیدائش سے لے کر حضرت مہدی علیہ الرضوان کی آمد تک وقوع پذیر ہوں گی۔ ان میں سے کچھ علامات ظاہر ہو چکی ہیں اور کچھ باقی ہیں۔ حضرت مہدی علیہ الرضوان کی آمد سے لے کر نفخہ اولیٰ تک ظاہر ہونے والی علامات "علامات کبریٰ" ہیں۔

علامات صغریٰ: کئی احادیث مبارکہ میں ان کا ذکر موجود ہے۔ دو احادیث ملاحظہ ہوں:

عَنْ أَنَسٍ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ قَالَ: لَأُحَدِّثَنَّكُمْ حَدِيْثًا لَا يُحَدِّثُكُمُوْهُ أَحَدٌ بَعْدِيْ سَمِعْتُهُ مِنَ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ سَمِعْتُ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ: "لَا تَقُوْمُ السَّاعَةُ - وَإِمَّا قَالَ: مِنْ أَشْرَاطِ السَّاعَةِ - أَنْ يُرْفَعَ الْعِلْمُ وَيَظْهَرَ الْجَهْلُ وَيُشْرَبَ الْخَمْرُ وَيَظْهَرَ الزِّنَا وَيَقِلَّ الرِّجَالُ وَيَكْثُرَ النِّسَاءُ حَتّٰى يَكُوْنَ لِلْخَمْسِيْنَ امْرَأَةً الْقَيِّمُ الْوَاحِدُ".

(صحیح البخاری: ج2 ص1006 کتاب المحاربین من اهل الکفر والردة. باب إِثْمِ الزُّنَاة)

....

ترجمہ: حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، فرماتے ہیں کہ میں تم سے ایک ایسی حدیث بیان کروں گا کہ میرے بعد اسے کوئی نہیں بیان کرے گا۔ میں نے یہ حدیث نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے سنی ہے۔ میں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا کہ قیامت اس وقت تک قائم نہیں ہو گی یا یوں فرمایا کہ قیامت کی نشانیوں میں سے یہ ہے کہ علم ختم ہو جائے گا اور جہالت پھیل جائے گی، شراب پی جانے لگے گی اور زنا عام ہو جائے گا، مرد کم ہو جائیں گے اور عورتوں کی تعداد زیادہ ہو جائے گی حتیٰ کہ پچاس عورتوں کی خبر گیری لینے والا ایک ہی مرد رہ جائے گا۔

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: "إِذَا اتُّخِذَ الْفَيْءُ دُوَلًا وَالْأَمَانَةُ مَغْنَمًا وَالزَّكٰوةُ مَغْرَمًا وَتُعُلِّمَ لِغَيْرِ الدِّينِ وَأَطَاعَ الرَّجُلُ امْرَأَتَهٗ وَعَقَّ أُمَّهٗ وَأَدْنٰى صَدِيْقَهٗ وَأَقْصٰى أَبَاهُ وَظَهَرَتِ الْأَصْوَاتُ فِي الْمَسَاجِدِ وَسَادَ الْقَبِيْلَةَ فَاسِقُهُمْ وَكَانَ زَعِيْمُ الْقَوْمِ أَرْذَلَهُمْ وَأُكْرِمَ الرَّجُلُ مَخَافَةَ شَرِّهٖ وَظَهَرَتِ الْقَيْنَاتُ وَالْمَعَازِفُ وَشُرِبَتِ الْخُمُوْرُ وَلَعَنَ آخِرُ هٰذِهِ الْأُمَّةِ أَوَّلَهَا فَلْيَرْتَقِبُوْا عِنْدَ ذٰلِكَ رِيْحًا حَمْرَاءَ وَزَلْزَلَةً وَخَسْفًا وَمَسْخًا وَقَذْفًا وَآيَاتٍ تَتَابَعُ كَنِظَامٍ بَالٍ قُطِعَ سِلْكُهٗ فَتَتَابَعَ".

(جامع الترمذی: ج2 ص45 ابواب الفتن. باب ما جاء فی اشراط الساعۃ)

ترجمہ: حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جب مال فئے کو ذاتی دولت، امانت کو مال غنیمت، زکوٰۃ کی ادائیگی کو تاوان سمجھا جائے، دین کی تعلیم کسی اور مقصد کے لیے حاصل کی جائے، آدمی اپنی بیوی کی فرمانبرداری کرے اور اپنی والدہ کی نافرمانی کرے، دوست کو قریب کرے اور اپنے

....

والد کو دور کرے، مساجد میں آوازیں بلند ہونے لگیں، قبیلہ کا بدکار آدمی قوم کی سرداری کرے، قوم کا ذمہ دار ان کا کمینہ شخص ہو، آدمی کی عزت اس کے شر کے خوف سے کی جائے، گانے والی عورتیں اور باجے عام ہو جائیں، شراب بکثرت پی جائے اور اس امت کے آخری دور کے لوگ اپنے سے پہلے والوں پر لعنت بھیجیں تو اس وقت تم سرخ آندھی، زلزلے، زمین میں دھنسنے، صورتیں مسخ ہونے، آسمان سے پتھر برسنے اور ان نشانیوں کا انتظار کرنا جو اس ہار کی لڑی کی طرح مسلسل ظاہر ہوں گی جس کا دھاگہ ٹوٹ گیا ہو اور اس کے دانے پے در پے گرنے لگیں۔

علامات کبریٰ:

قیامت کی علامات کبریٰ دس ہیں۔ اختصار سے ذکر کی جاتی ہیں:

1: حضرت مہدی علیہ الرضوان کی آمد

حضرت مہدی علیہ الرضوان کی آمد قیامت کی بڑی نشانیوں میں سے پہلی نشانی ہے۔ آپ کا نام محمد اور والد کا نام عبد اللہ ہو گا۔ حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کی اولاد میں سے ہوں گے۔ سیرت میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے مشابہ ہوں گے۔ مدینہ منورہ کے رہنے والے ہوں گے۔ مکہ میں ان کا ظہور ہو گا، شام اور عراق کے اولیاء اور ابدال بیت اللہ کے طواف کے دوران انہیں پہچان لیں گے اور ان کے ہاتھ پر بیعت کریں گے۔ پہلے ان کی حکومت عرب میں ہو گی پھر ساری دنیا میں پھیل جائے گی۔ ان کے دور حکومت میں عدل و انصاف کا دور دورہ ہو گا۔ آپ کا عمل شریعت محمدیہ کے مطابق ہو گا۔ آپ کے زمانہ میں دجال نکلے گا اور انہی کے زمانہ بادشاہت میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام آسمان سے جامع مسجد دمشق کے مشرقی منارہ پر فجر کی نماز کے

....

قریب نازل ہوں گے اور امام مہدی کے پیچھے نماز ادا فرمائیں گے۔ امام مہدی؛ عیسائیوں سے جہاد کریں گے اور قسطنطنیہ کو فتح کریں گے۔ بیت المقدس میں آپ کا انتقال ہو گا، حضرت عیسیٰ علیہ السلام آپ کی نماز جنازہ پڑھائیں گے اور آپ بیت المقدس ہی میں دفن ہوں گے۔

2: دجال کا نکلنا

دجال کا نکلنا دوسری بڑی علامت ہے جو احادیث متواترہ اور اجماع امت سے ثابت ہے۔ "دجال" ایک خاص کافر شخص کا نام ہے جو قوم یہود سے ہو گا اور "مسیح" اس کا لقب ہو گا۔ اس کی ایک آنکھ میں انگور کے دانے کے برابر ناخونہ ہو گا، دونوں آنکھوں کے درمیان "ک۔ف۔ر" لکھا ہوا ہو گا۔

دجال کا خروج اس زمانے میں ہو گا جب امام مہدی علیہ الرضوان نصاریٰ سے جہاد کرتے ہوئے قسطنطنیہ کو فتح فرما کر شام واپس آئیں گے اور شہر دمشق میں مقیم ہو کر مسلمانوں کے انتظام میں مصروف ہوں گے۔ اس وقت دجال شام اور عراق کے درمیان سے نکلے گا اور نبوت کا دعویٰ کرے گا۔ پھر اصفہان آئے گا۔ وہاں ستر ہزار یہودی اس کے تابع ہو جائیں گے۔ بعد ازاں وہ خدائی کا دعوی کرے گا اور زمین میں فساد پھیلاتا پھرے گا۔ حق تعالیٰ بندوں کے امتحان کے لیے اس کے ہاتھ سے قسم قسم کے کرشمے اور شعبدے ظاہر فرمائیں گے۔ یمن سے ہو کر مکہ مکرمہ کا رخ کرے گا مگر مکہ مکرمہ پر فرشتوں کا پہرہ ہو گا اس لیے دجال مدینہ منورہ کا ارادہ کرے گا۔ مدینہ منورہ کے دروازوں پر بھی فرشتوں کا پہرہ ہو گا اس لیے دجال مدینہ منورہ میں داخل نہ ہو سکے گا۔ بالآخر پھر پھرا کر شام واپس آئے گا۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام دمشق کی جامع

....

مسجد کے شرقی منارہ پر فجر کی نماز کے وقت دو فرشتوں کے بازوؤں پر ہاتھ رکھے ہوئے آسمان سے نازل ہوں گے اور اس لعین کو قتل کریں گے۔

3: عیسیٰ علیہ السلام کا آسمان سے نازل ہونا

تیسری علامت حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا آسمان سے نازل ہونا ہے۔ کانے دجال کا خروج ہو چکا ہو گا اور امام مہدی دمشق کی جامع مسجد میں نماز فجر کے لیے تیاری میں ہوں گے۔ یکایک حضرت عیسیٰ علیہ السلام آسمان سے دمشق کی جامع مسجد کے شرقی منارہ پر دو فرشتوں کے بازوؤں پر ہاتھ رکھے ہوئے نزول فرمائیں گے اور نماز سے فراغت کے بعد امام مہدی کی معیت میں دجال پر چڑھائی کریں گے۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے سانس میں یہ تاثیر ہو گی کہ کافر اس کی تاب نہ لا سکے گا، اس کے پہنچتے ہی مر جائے گا اور دجال حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو دیکھتے ہی ایسا پگھلنے لگے گا جیسے نمک پانی میں پگھل جاتا ہے۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام دجال کا تعاقب کریں گے اور ''باب لد'' پر جا کر اس کو اپنے نیزہ سے قتل کریں گے اور اس کا خون مسلمانوں کا دکھائیں گے۔ اس کے بعد لشکر اسلام دجال کے لشکر کا مقابلہ کرے گا۔ اس لشکر میں جو یہودی ہوں گے مسلمانوں کا لشکر ان کو خوب قتل کرے گا۔ اس طرح زمین دجال اور یہود کے ناپاک وجود سے پاک ہو جائے گی۔

4: یاجوج ماجوج کا نکلنا

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے نزول اور دجال کی ہلاکت کے کچھ عرصہ بعد امام مہدی انتقال فرما جائیں گے۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام ان کی نماز جنازہ پڑھائیں گے۔ بیت المقدس میں ان کا انتقال ہو گا اور وہیں مدفون ہوں گے۔ امام مہدی کی

....

وفات کے بعد مسلمانوں کی قیادت حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے سپرد ہو گی اور زمانہ نہایت سکون اور راحت سے گزر رہا ہو گا کہ یکایک وحی نازل ہو گی کہ اے عیسیٰ! تم میرے بندوں کو کوہ طور کے پاس لے جاؤ! میں اب ایک ایسی قوم کو نکالنے والا ہوں کہ جس کے ساتھ لڑنے کی کسی کو طاقت نہیں۔ وہ قوم یاجوج ماجوج کی قوم ہے جو یافث بن نوح کی اولاد میں سے ہے۔

شاہ ذو القرنین نے دو پہاڑوں کے درمیان ایک نہایت مستحکم آہنی دیوار قائم کر کے ان کا راستہ بند کر دیا تھا۔ قیامت کے قریب وہ دیوار ٹوٹ جائے گی اور یہ غارت گر قوم ٹڈی دل کی طرح ہر طرف سے نکل پڑے گی اور دنیا میں فساد پھیلائے گی (جس کا ذکر قرآن کریم کی سورہ کہف آیت 93 تا 98 میں مذکور ہے) اس وقت حضرت عیسیٰ علیہ السلام اپنے ساتھیوں کو لے کر کوہِ طور کی طرف چلے جائیں گے۔ بارگاہ خداوندی میں یاجوج ماجوج کے حق میں طاعون کی ہلاکت کی دعا کریں گے جب کہ باقی لوگ اپنے اپنے طور پر قلعہ بند اور محفوظ مکانوں میں چھپ جائیں گے۔

اللہ تعالیٰ یاجوج ماجوج کو طاعون کی وباء سے ہلاک کرے گا اور اس بلاءِ آسمانی سے سب مر جائیں گے۔ اس کے بعد اللہ تعالی لمبی گردن والے پرندے بھیجے گا جو بعض کو تو کھا جائیں گے اور بعض کو اٹھا کر سمندر میں ڈال دیں گے۔ پھر بارش ہو گی جس کے سبب ان مرداروں کی بدبو سے نجات ملے گی اور زندگی نہایت راحت اور آرام سے گزرے گی۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام چالیس یا پینتالیس سال زندہ رہ کر مدینہ منورہ میں انتقال فرمائیں گے اور روضہ رسول صلی اللہ علیہ وسلم میں دفن ہوں گے۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام اپنے بعد ایک قحطانی شخص کو اپنا خلیفہ مقرر کر جائیں

....

گے جس کا نام "جہجاہ" ہو گا، خوب اچھی طرح عدل وانصاف کے ساتھ حکومت کرے گا مگر ساتھ ہی شر اور فساد پھیلنا شروع ہو جائے گا۔

5: سورج کا مغرب سے نکلنا

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ قیامت کے وقوع سے پہلے سورج مغرب سے نکلے گا اور یہ وہ وقت ہو گا جب توبہ کا دروازہ بند ہو جائے گا۔ اس وقت ایمان لانا مفید ثابت نہ ہو گا۔

6: دابۃ الارض کا نکلنا

قیامت کی ایک بڑی نشانی زمین سے دآبۃ الارض کا نکلنا ہے، جو نص قرآنی سے ثابت ہے:

﴿وَاِذَا وَقَعَ الْقَوْلُ عَلَيْهِمْ اَخْرَجْنَا لَهُمْ دَآبَّةً مِّنَ الْاَرْضِ تُكَلِّمُهُمْ ۙ اَنَّ النَّاسَ كَانُوْا بِاٰيٰتِنَا لَا يُوْقِنُوْنَ﴾

(النمل:82)

ترجمہ: اور جب ہماری بات پوری ہونے کا وقت ان لوگوں کے پاس آ پہنچے گا (یعنی قیامت قریب ہو گی) تو ہم ان کے لیے زمین سے ایک جانور نکالیں گے جو ان سے باتیں کرے گا (یہ جانور ہم اس لیے نکالیں گے) کہ لوگ ہماری آیتوں پر یقین نہیں رکھتے تھے۔

جس روز آفتاب مغرب سے طلوع ہو گا اس کے چند روز بعد مکہ مکرمہ کے "صفا" پہاڑ سے یہ عجیب الخلقت جانور نکلے گا۔ جس طرح اللہ نے اپنی قدرت سے حضرت صالح علیہ السلام کی اونٹنی کو پتھر سے نکالا تھا اسی طرح اپنی قدرت سے قیامت

....

کے قریب زمین سے یہ جانور نکالیں گے جو لوگوں سے کلام کرے گا اور قیامت کی خبر دے گا۔ مومنین کے چہروں پر ایک نورانی نشانی لگائے گا جس سے ان کے چہرے روشن ہو جائیں گے اور کافروں کی آنکھوں کے درمیان ایک مہر لگائے گا جس سے ان کے چہرے سیاہ ہو جائیں گے ۔حسب ارشاد باری تعالیٰ ﴿وَامۡتَازُوا الۡیَوۡمَ اَیُّهَا الۡمُجۡرِمُوۡنَ﴾ (اے مجرم لوگو! آج الگ ہو جاؤ) مسلم اور مجرم کا امتیاز اس طرح شروع ہو جائے گا اور پورا امتیاز حساب و کتاب کے بعد ہو گا۔

7: ٹھنڈی ہوا کا چلنا

دآبۃ الارض کے نکلنے کے کچھ عرصے بعد ایک ٹھنڈی ہوا چلے گی جس سے تمام اہل ایمان اور اہل خیر مر جائیں گے یہاں تک کہ اگر کوئی مؤمن کسی غار یا پہاڑ میں چھپا ہوا ہو گا تو وہاں بھی یہ ہوا پہنچے گی اور وہ شخص اس ہوا سے مر جائے گا۔ نیک لوگ سب مر جائیں گے تو نیکی اور بدی میں فرق کرنے والا بھی کوئی باقی نہ رہے گا۔

(صحیح مسلم: ج2 ص403 كِتَاب الۡفِتَنِ. بَاب ذِكۡرِ الدَّجَّالِ وَصِفَتِهِ وَمَا مَعَهُ)

8: حبشیوں کا غلبہ اور خانہ کعبہ کو گرانا

بعد ازاں حبشہ کے کافروں کا غلبہ ہو گا اور زمین پر ان کی سلطنت ہو گی۔ ظلم اور فساد عام ہو گا۔ بے شرمی اور بے حیائی کھلم کھلا ہو گی۔ چوپایوں کی طرح لوگ سڑکوں پر جماع کریں گے۔ حبشی لوگ خانہ کعبہ کو شہید کر دیں گے۔

حدیث مبارک میں ہے:

لَا يَسۡتَخۡرِجُ كَنۡزَ الۡكَعۡبَةِ إِلَّا ذُو السُّوَيۡقَتَيۡنِ مِنَ الۡحَبَشَةِ.

(سنن ابی داؤد: ج2 ص592 کتاب الملاحم. باب ذکر الحبشۃ)

....

ترجمہ: خانہ کعبہ کے جمع ہونے والے خزانے کو چھوٹی چھوٹی پنڈلیوں والا ایک حبشی شخص ہی نکالے گا۔

9: آگ کا نکلنا

قیامت کی آخری نشانی یہ ہے کہ وسطِ عدن سے ایک آگ نکلے گی جو لوگوں کو گھیر کر ملک شام کی طرف ہانک کر لائے گی جہاں مرنے کے بعد حشر ہو گا(یعنی قیامت میں جو نئی زمین بنائی جائے گی اس کا وہ حصہ جو موجودہ زمین کے ملک شام کے مقابل ہو گا) یہ آگ لوگوں سے دن رات میں کسی وقت جدا نہ ہو گی اور جب صبح ہو گی اور آفتاب بلند ہو جائے گا تو یہ آگ لوگوں کو ہانک لے جائے گی۔ جب لوگ ملک شام میں پہنچ جائیں گے تو یہ آگ غائب ہو جائے گی۔

سنن ابی داؤد میں حضرت حذیفہ بن اسید غفاری رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے قیامت کی دس علامتیں بیان فرمائیں، ان میں سے آخری علامت یہ ہے:

وَآخِرُ ذٰلِكَ تَخْرُجُ نَارٌ مِنَ الْيَمَنِ مِنْ قَعْرِ عَدَنَ تَسُوْقُ النَّاسَ إِلَى الْمَحْشَرِ. (سنن ابی داؤد: ج2 ص592 کتاب الملاحم. باب امارات الساعۃ)

اور آخری علامت یہ ہو گی کہ وسط عدن سے ملک یمن میں ایک آگ ظاہر ہو گی جو لوگوں کو میدانِ حشر (یعنی سرزمین شام) کی طرف ہانک کر لے جائے گی۔

اس کے کچھ عرصہ بعد کفر اور بت پرستی پھیل جائے گی اور زمین پر کوئی خدا کا نام لینے والا باقی نہ ہو گا۔ اس وقت قیامت قائم ہو گی اور حضرت اسرافیل کو صور پھونکنے کا حکم ہو گا۔

کاہن و نجومی

[101]: وَلَا نُصَدِّقُ كَاهِنًا وَلَا عَرَّافًا وَلَا مَنْ يَدَّعِيْ شَيْئًا بِخِلَافِ الْكِتَابِ وَالسُّنَّةِ وَإِجْمَاعِ الْأُمَّةِ.

ترجمہ: ہم کسی کاہن اور نجومی کی تصدیق نہیں کرتے اور نہ ہی اس شخص کو مانتے ہیں جو کتاب اللہ، سنت اور اجماع کے خلاف کسی بات کا دعویٰ کرے۔

10: صور پھونکا جانا

مذکورہ تمام علامات ظاہر ہونے کے بعد کچھ عرصہ عیش و عشرت سے گزرے گا کہ محرم کی دس تاریخ اور جمعہ کا دن آئے گا۔ لوگ اپنے اپنے کاموں میں لگے ہوں گے کہ اچانک قیامت قائم ہو جائے گی۔ حضرت اسرافیل علیہ السلام صور پھونکیں گے۔ شروع میں آواز کم پھر آہستہ آہستہ بڑھتی چلی جائے گی حتی کہ سب جاندار اس کے اثر سے مر جائیں گے۔ زمین و آسمان کا نظام تہ و بالا ہو جائے گا۔ چالیس سال بعد دوبارہ حضرت اسرافیل علیہ السلام صور پھونکیں گے جس سے سب اٹھیں گے اور میدانِ محشر میں جمع ہونا شروع ہو جائیں گے۔

[101]:

"کاہن" اس شخص کو کہتے ہیں جو آئندہ پیش آنے والے واقعات و حادثات کی خبر دے۔ کاہن جنات کی عبادت اور ان کے کہنے پر ناجائز کام کرتا ہے جس کے نتیجے میں وہ اسے بعض پوشیدہ اور مخفی باتیں بتا دیتے ہیں۔ یہ شخص اس میں کئی جھوٹ ملا کر آگے بتا دیتا ہے۔ کاہن شخص جادو اور تخیلات وغیرہ سے بھی کام لیتا رہتا ہے۔

"عراف" نجومی کو کہتے ہیں۔ اس سے مراد وہ شخص ہے جو مخصوص اشیاء اور

....

خاص علامات کے ذریعے مخفی چیزوں کی خبر دے۔ مثلاً یہ بتائے کہ چوری کا مال کہاں ہے؟ گمشدہ شخص کس جگہ پر ہے؟ وغیرہ۔ یہ لوگ ستاروں اور دیگر اسباب (سائل کے فعل اور دیگر احوال) سے استفادہ کرتے ہیں۔

☼ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

مَنْ أَتٰى عَرَّافًا فَسَأَلَهُ عَنْ شَيْءٍ لَمْ تُقْبَلْ لَهُ صَلَاةٌ أَرْبَعِيْنَ لَيْلَةً.

(صحیح مسلم: ج2 ص233 کتاب السلام. باب تحریم الکھانۃ واتیان الکھان)

ترجمہ: جو شخص کسی نجومی کے پاس آیا اور اس سے کسی مخفی چیز کے بارے میں پوچھا تو اس کی چالیس دن کی نماز قبول نہیں ہوتی۔

فائدہ: کتاب اللہ، سنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور اجماعِ امت کے خلاف کوئی دعویٰ قابل قبول نہیں ہے۔ واضح رہے کہ ان تین دلائل میں سے اوکد اور قوی دلیل اجماع امت ہے کیونکہ کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ثبوت بھی اجماع امت سے ہے۔

علامہ تقی الدین احمد بن عبد الحلیم ابن تیمیہ الحنبلی (ت 728ھ) فرماتے ہیں:

وَإِجْمَاعُهُمْ حُجَّةٌ قَاطِعَةٌ يَجِبُ اتِّبَاعُهَا بَلْ هِيَ أَوْكَدُ الْحُجَجِ وَهِيَ مُقَدَّمَةٌ عَلٰى غَيْرِهَا.

(الفتاوی الکبریٰ لابن تیمیہ: ج6 ص162)

ترجمہ: صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا اجماع قطعی دلیل ہے جس کا ماننا ضروری ہے بلکہ اجماع تو تمام دلائل سے قوی دلیل ہے جو دیگر دلائل پر مقدم ہوتی ہے۔

اجماعی موقف کی تائید

[102]: وَنَرَى الْجَمَاعَةَ حَقًّا وَصَوَابًا وَالْفُرْقَةَ زَيْغًا وَعَذَابًا.

ترجمہ: ہم جماعت (امت کے اجماعی مسائل) کو برحق اور درست سمجھتے ہیں اور اس سے علیحدہ ہونے کو گمراہی اور (آخرت کے) عذاب کا سبب سمجھتے ہیں۔

[103]: وَدِيْنُ اللهِ فِي الْأَرْضِ وَالسَّمَاءِ وَاحِدٌ وَهُوَ دِيْنُ الْإِسْلَامِ كَمَا قَالَ اللهُ تَعَالَى: ﴿إِنَّ الدِّيْنَ عِنْدَ اللهِ الْإِسْلَامُ﴾ وَقَالَ اللهُ تَعَالَى: ﴿وَمَنْ يَّبْتَغِ غَيْرَ الْإِسْلَامِ دِيْنًا فَلَنْ يُّقْبَلَ مِنْهُ﴾ وَقَالَ اللهُ تَعَالَى: ﴿وَرَضِيْتُ لَكُمُ الْإِسْلَامَ دِيْنًا﴾

ترجمہ: اللہ کا دین آسمان اور زمین میں ایک ہی ہے اور وہ دین اسلام ہے۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ﴿إِنَّ الدِّيْنَ عِنْدَ اللهِ الْإِسْلَامُ﴾ کہ دین تو اللہ کے ہاں اسلام ہی ہے۔ مزید ارشاد ہے: ﴿وَمَنْ يَّبْتَغِ غَيْرَ الْإِسْلَامِ دِيْنًا فَلَنْ يُّقْبَلَ مِنْهُ﴾ کہ جو شخص اسلام کے علاوہ کوئی اور دین اختیار کرے گا تو وہ اس سے قبول نہیں کیا جائے گا۔ مزید ارشاد ہے: ﴿وَرَضِيْتُ لَكُمُ الْإِسْلَامَ دِيْنًا﴾ کہ میں نے تمہارے لیے دینِ اسلام کو ہی پسند کیا ہے۔

---

[102]: یعنی مسلمان جس چیز پر اجماع کر لیں وہ حق و صواب ہے۔ اس سے علیحدگی اختیار کرنا اور اس کی مخالفت کرنا دنیا میں گمراہی اور آخرت میں عذاب کا باعث ہے۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

﴿وَمَنْ يُّشَاقِقِ الرَّسُوْلَ مِنْ بَعْدِ مَا تَبَيَّنَ لَهُ الْهُدٰى وَيَتَّبِعْ غَيْرَ سَبِيْلِ الْمُؤْمِنِيْنَ نُوَلِّهٖ مَا تَوَلّٰى وَنُصْلِهٖ جَهَنَّمَ وَسَآءَتْ مَصِيْرًا﴾ (النساء:115)

....

ترجمہ: اور جو شخص اپنے سامنے ہدایت واضح ہونے کے بعد بھی رسول کی مخالفت کرے، اور مومنین کے راستے کے علاوہ کسی اور راستہ کی پیروی کرے تو اس کو ہم اسی راہ کے حوالے کر دیں گے جو اس نے خود اپنائی ہے اور اسے جہنم میں جھونک دیں گے اور جہنم بہت برا ٹھکانہ ہے۔

[103]: دین اسلام ہی برحق دین ہے، اس کے علاوہ کوئی دین قبول نہیں کیا جائے گا۔ آج یہودی اور عیسائی اپنے اپنے دین کی دعوت دیتے ہیں اور اسے برحق سمجھتے ہیں جبکہ ہم مسلمان دین اسلام کی دعوت دیتے ہیں جو یقیناً برحق ہے۔ کسی بھی دین کی دوسرے ادیان پر ترجیح اور فوقیت ثابت کرنے کے لیے چار باتوں کو دیکھا جائے گا۔ جو دین ان چار باتوں پر پورا اترے تو وہی قابل قبول اور سب کے لیے لائق عمل ہو گا اور اسی کی دعوت دینا بھی درست ہو گا۔ وہ چار باتیں یہ ہیں:

(1): اس دین کے نبی کا اعلان ہو کہ میں سب کا نبی ہوں، اس لیے میرا کلمہ پڑھو!

اس کی وجہ یہ ہے کہ نبی کا کلمہ نجات کے لیے پڑھا جاتا ہے۔ اگر بروز قیامت اعمال میں کوتاہی کی وجہ سے عذاب جہنم کا خدشہ ہو تو شفاعت وہی نبی کرے گا جس کے کہنے پر انسان نے کلمہ پڑھا ہو۔ ایسا نہ ہو کہ انسان شفاعت کی امید رکھے اور وہ نبی کہے کہ میں نے تو تمہارے لیے نبوت کا اعلان ہی نہیں کیا تھا بلکہ میری نبوت کا دائرہ تو محدود تھا۔ یہود و نصاریٰ کے نبی کا دائرہ محدود تھا جو خاص قوم اور مخصوص علاقوں پر مشتمل تھا لیکن ہمارے پیغمبر کا دائرہ نبوت محدود نہیں بلکہ ہمارے نبی حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت تمام لوگوں کے لیے عام ہے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا اعلان ہے کہ میں سب کا نبی ہوں۔

....

☆ ﴿قُلۡ يٰۤاَيُّهَا النَّاسُ اِنِّىۡ رَسُوۡلُ اللّٰهِ اِلَيۡكُمۡ جَمِيۡعًا﴾. (الاعراف:158)

ترجمہ: (اے پیغمبر) کہہ دیجیے! اے لوگو میں تم سب کی طرف اللہ کا رسول بنا کر بھیجا گیا ہوں۔

☆ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے:

وَأُرْسِلْتُ إِلَى الْخَلْقِ كَافَّةً. (صحیح مسلم: ج1ص199 کتاب المساجد ومواضع الصلاۃ)

ترجمہ: مجھے پوری مخلوق کا نبی بنایا گیا۔

(2): اس نبی کا اعلان ہو کہ میں آخری نبی ہوں۔

اس کی وجہ یہ ہے کہ لوگ ایک نبی کا کلمہ پڑھ لیں اور دوسرا نبی آجائے تو اب لا محالہ دوسرے نبی کا کلمہ پڑھنا پڑے گا۔ تو جب تک وہ نبی آخری نہ ہو یہ خدشہ بہر حال رہے گا کہ اس نبی کی تعلیمات منسوخ ہوتی ہیں یا باقی رہتی ہیں؟! اس لیے آج کے دور میں اس نبی کو دیکھیں جو آخری ہو تاکہ یہ خدشہ ہی ختم ہو جائے اور ایسا نبی صرف ہمارے نبی پیغمبر اسلام حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔

☆ ﴿مَا كَانَ مُحَمَّدٌ اَبَاۤ اَحَدٍ مِّنۡ رِّجَالِكُمۡ وَلٰـكِنۡ رَّسُوۡلَ اللّٰهِ وَخَاتَمَ النَّبِيّٖنَ ‌ؕ وَكَانَ اللّٰهُ بِكُلِّ شَىۡءٍ عَلِيۡمًا﴾. (الاحزاب:40)

ترجمہ: محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) تمہارے مردوں میں سے کسی کے باپ نہیں لیکن اللہ کے رسول اور آخری نبی ہیں اور اللہ تعالیٰ ہر چیز کو جاننے والے ہیں۔

☆ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے:

أَنَا خَاتَمُ النَّبِيِّيْنَ لَا نَبِيَّ بَعْدِيْ. (سنن الترمذی: ج2ص44)

ترجمہ: میں خاتم النبیین ہوں، میرے بعد کوئی نبی پیدا نہیں ہو گا۔

....

(3): اس نبی کی نبوت پر دلیل آج بھی موجود ہو۔

اس کی وجہ یہ ہے کسی نبی کو ماننے کے لیے دلیل چاہیے تاکہ ثابت ہو یہ کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے بھیجا گیا ہے۔ جس نبی کی نبوت پر دلیل آج بھی موجود ہے وہ ہمارے پیغمبر حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہیں اور دلیل نبوت قرآن مجید ہے۔

☼ ﴿وَاِنْ كُنْتُمْ فِيْ رَيْبٍ مِّمَّا نَزَّلْنَا عَلٰى عَبْدِنَا فَاْتُوْا بِسُوْرَةٍ مِّنْ مِّثْلِهٖ وَادْعُوْا شُهَدَآءَكُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ﴾ (البقرۃ:23)

ترجمہ: اگر تم اس قرآن کے بارے میں ذرہ بھی شک میں ہو جو ہم نے اپنے بندے پر نازل کیا ہے تو اس جیسی کوئی ایک سورت بنا لاؤ اور اگر سچے ہو تو اللہ کے سوا اپنے سارے مددگار بلا لو۔

جب امت قرآن مجید کی مثل لانے سے عاجز ہے تو یہ دلیل ہے کہ قرآن مجید اللہ تعالیٰ کی جانب سے ہے اور نبی کی سچائی پر دلیل ہے۔ کیونکہ ضابطہ ہے کہ جس چیز کی مثل انسان نہ بنا سکیں تو وہ چیز اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہوتی ہے۔

(4): اس نبی کی تعلیمات آج بھی موجود ہوں۔

اس کی وجہ یہ ہے کہ نبی پر ایمان لایا جاتا ہے تاکہ نبی کی لائی ہوئی شریعت پر نبی کے بتائے ہوئے طریقے کے مطابق عمل کر سکیں۔ جب نبی کی لائی ہوئی تعلیمات اور ان کے مطابق اس نبی کا طریقہ ہی موجود نہ ہو تو اس نبی کا کلمہ پڑھنے والا شخص عمل کیسے کرے گا؟! اور آج اگر کسی نبی کی تعلیمات ہیں تو وہ صرف ہمارے نبی حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔

ان چار باتوں سے معلوم ہوا کہ آج دین اسلام ہی برحق دین ہے۔

راہِ اِعتِدال

[104]: وَهُوَ بَيْنَ الغُلُوِّ وَالتَّقْصِيرِ وَبَيْنَ التَّشْبِيهِ وَالتَّعْطِيلِ وَبَيْنَ الْجَبْرِ وَالْقَدَرِ وَبَيْنَ الْأَمْنِ وَالْإِيَاسِ.

ترجمہ: دین اسلام افراط و تفریط، تشبیہ و تعطیل، جبر و قدر اور (عذاب سے) بے خوفی و (رحمت سے) ناامیدی کے درمیان راہِ اعتدال کا نام ہے۔

---

[104]: دین اسلام راہ اعتدال کا نام ہے جس میں راہ سے گزرنے اور راہ سے اترنے کے بجائے راہ پر چلنے کی بات کی جاتی ہے۔ یہ دین افراط و تفریط پر مبنی نظریات کے بجائے اعتدال کے حامل نظریات کا نام ہے۔ امام طحاوی رحمۃ اللہ علیہ نے اس اعتدال کو چند جملوں میں پیش فرمایا ہے جن کی مختصر اً وضاحت یہ ہے:

"وَهُوَ بَيْنَ الغُلُوِّ وَالتَّقْصِيرِ"... یعنی ہم نہ افراط کرتے ہیں کہ نبی کو خدا کا بیٹا قرار دیں اور نہ ہی تفریط کرتے ہیں کہ نبی کا مقام اور مرتبہ ولی کے برابر یا اس سے بھی کم قرار دیں بلکہ ہم نبی کو اللہ تعالیٰ کا بندہ مان کر اسے امت کے تمام اولیاء سے بلند درجہ مانتے ہیں۔

"وَبَيْنَ التَّشْبِيهِ وَالتَّعْطِيلِ"... یعنی ہم نہ تشبیہ کے قائل ہیں کہ اللہ تعالیٰ کی صفات کو مخلوق کے مشابہ قرار دیں اور نہ تعطیل کے قائل ہیں کہ اللہ تعالیٰ کو بغیر صفات کے مان لیں بلکہ ہم اللہ تعالیٰ کے لیے صفات کے قائل ہیں لیکن مخلوق کی مشابہت سے پاک مانتے ہیں۔

"وَبَيْنَ الْجَبْرِ وَالْقَدَرِ"... یعنی ہم نہ جبریہ کا عقیدہ رکھتے ہیں کہ انسان کو مجبور محض مان لیں اور نہ ہی قدریہ کا اعتقاد رکھتے ہیں کہ انسان کو اپنے افعال کا خالق قرار دیں بلکہ

[105]: فَهٰذَا دِيۡنُنَا وَاعۡتِقَادُنَا ظَاهِرًا وَبَاطِنًا وَنَحۡنَ بُرَءَاءُ إِلَى اللّٰهِ مِنۡ كُلِّ مَنۡ خَالَفَ الَّذِيۡ ذَكَرۡنَاهُ وَبَيَّنَّاهُ.

ترجمہ: یہی ہمارا دین اور عقیدہ ہے ظاہر میں بھی اور دل میں بھی اور جو شخص ان مذکورہ عقائد کا مخالف ہو ہم اللہ کے سامنے ایسے شخص سے براءت کا اعلان کرتے ہیں۔

ہم اللہ تعالیٰ کو بندوں کے افعال کا خالق مان کر بندوں کو افعال کا کاسب مانتے ہیں۔

"وَبَيۡنَ الۡأَمۡنِ وَالۡإِيَاسِ"... یعنی ہم اللہ تعالیٰ کے عذاب اور پکڑ سے بے خوف بھی نہیں ہوتے اور خدا کی رحمت اور معافی سے ناامید بھی نہیں ہوتے بلکہ نیک اعمال بجا لانے کے باوجود خائف رہتے ہیں کہ قبول بھی ہوتے ہیں یا نہیں؟! اور گناہ ہو جانے پر مایوس بھی نہیں ہوتے بلکہ معافی کی امید رکھتے ہیں۔

[105]: امام طحاوی رحمۃ اللہ علیہ بیان فرما رہے ہیں کہ ماقبل میں جتنے عقائد ذکر کیے گئے ہیں وہ ہم اھل السنۃ والجماعۃ کے عقائد ہیں اور یہی ہمارا دین و ایمان ہے۔ اس ضمن میں دو باتیں فرمائی ہیں:

1: ہم نفاق سے بری ہیں کہ ہماری زبان پر کچھ ہو اور دل میں کچھ اور ہو بلکہ ہم جو عقیدہ دل میں رکھتے ہیں وہی ہماری زبان پر ہوتا ہے۔ اس لیے ہم مذکورہ عقائد کے ظاہراً و باطناً قائل ہیں۔

2: ہم ان عقائد کی مخالفت کرنے والے شخص سے بری ہیں، ہمارا ایسے شخص اور اس کے باطل عقائد و نظریات سے کوئی تعلق نہیں۔

بقول شاعر:

توحید تو یہ ہے کہ خدا حشر میں کہہ دے
یہ بندہ زمانے سے خفا میرے لئے ہے

دعائے خاتمہ بالخیر

فِرَق باطلہ سے اعلانِ براءت

[☆]: وَنَسْأَلُ اللهَ تَعَالَى أَنْ يُثَبِّتَنَا عَلَى الْإِيمَانِ وَيَخْتِمَ لَنَا بِهِ وَيَعْصِمَنَا مِنَ الْأَهْوَاءِ الْمُخْتَلِفَةِ وَالْآرَاءِ الْمُتَفَرِّقَةِ وَالْمَذَاهِبِ الرَّدِيَّةِ مِثْلِ الْمُشَبِّهَةِ وَالْمُعْتَزِلَةِ وَالْجَهْمِيَّةِ وَالْجَبْرِيَّةِ وَالْقَدَرِيَّةِ وَغَيْرِهِمْ مِنَ الَّذِيْنَ خَالَفُوا السُّنَّةَ وَالْجَمَاعَةَ وَاتَّبَعَ الْبِدْعَةَ والضَّلَالَةَ وَنَحْنُ مِنْهُمْ بَرَاءٌ وَهُمْ عِنْدَنَا ضُلَّالٌ وَأَرْدِيَاءُ وَبِاللهِ الْعِصْمَةُ وَالتَّوْفِيْقُ. وَاللهُ أَعْلَمُ بِالصَّوَابِ وَإِلَيْهِ الْمَرْجِعُ وَالْمَآبُ.

ترجمہ: ہم اللہ تعالیٰ سے دعا کرتے ہیں کہ ہمیں ایمان پر ثابت قدم فرما، ایمان پر ہی ہمارا خاتمہ فرما، ہر قسم کی خواہشات نفسانیہ، جداگانہ آراء اور مشبہہ، معتزلہ، جہمیہ، جبریہ، قدریہ جیسے مردود مذاہب سے ہماری حفاظت فرما اور ان کے علاوہ ان لوگوں سے بھی ہمیں محفوظ فرما جو اھل السنۃ والجماعۃ کے مخالف ہیں اور بدعت و گمراہی کے پیچھے پڑے ہوئے ہیں۔ ہم ان سب سے بری ہیں۔ یہ تمام لوگ ہمارے نزدیک گمراہ اور مردود ہیں۔ اللہ تعالیٰ ہی حفاظت فرمانے والا اور توفیق دینے والا ہے۔ اللہ تعالیٰ ہی بہتر جانتے ہیں اور ہم نے بالآخر اللہ تعالیٰ کی طرف ہی لوٹ کر جانا ہے۔

[☆]: امام طحاوی رحمۃ اللہ علیہ صحیح عقائد و نظریات پر کاربند رہنے اور غلط آراء اور فرق ہائے باطلہ سے بچنے کی دعا فرما رہے ہیں۔ جن فرقوں کا نام لے کر تردید فرمائی ہے ان کا مختصر سا تعارف پیش ہے:

....

مشبہ:

یہ فرقہ اللہ تبارک وتعالیٰ کو ذات اور صفات میں مخلوق کے مشابہ قرار دیتا ہے۔اس فرقہ کا کہنا ہے کہ جس طرح مخلوق کا جسم، اعضاء، خون، گوشت پوست ہے اسی طرح اللہ تعالیٰ کا بھی جسم اور اعضاء ہیں لیکن مخلوق کی طرح نہیں بلکہ اللہ کی اپنی شان کے لائق ہیں۔ اس فرقے کا بانی "داؤد جوار بی" تھا۔ تشبیہ کا قول سب سے پہلے اسی شخص نے کیا تھا۔اس کی وفات سن 95ھ اور 110ھ کے درمیان ہوئی۔

معتزلہ:

یہ فرقہ دوسری صدی ہجری میں پیدا ہوا۔ اس فرقے کا بانی "واصل بن عطاء الغزال" (ت 131ھ) تھا جو حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ کا شاگرد تھا۔ واصل بن عطاء نے جب یہ موقف اختیار کیا کہ مرتکب کبیرہ (کبیرہ گناہ کا ارتکاب کرنے والا) ایمان سے نکل جاتا ہے، مگر کفر میں داخل نہیں ہوتا، تو امام حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: "هٰذَاالرَّجُلُ قَدِ اعْتَزَلَ عَنَّا" (یہ شخص ہم سے جدا ہو گیا) اب جو شخص اس کی اتباع کرتا وہ خود کو معتزلی کہتا اور معتزلی کا معنی یہ لیتا کہ ہم اہل السنۃ والجماعۃ کے باطل عقائد سے الگ ہیں۔

اس فرقہ کے ہاں معیار عقل ہے۔جو بات ان کی عقل ناقص کے مطابق نہ ہو اس میں بے جا تاویلات کرتے ہیں گو وہ نصوص قطعیہ ہی کیوں نہ ہوں اور ظنیات کا تو ویسے ہی انکار کر دیتے ہیں۔جس طرح انسانوں کے افعال میں حسن و قبح ہے اسی طرح یہ لوگ باری تعالیٰ کے افعال پر بھی حسن وقبح کا حکم لگاتے ہیں۔

پانچ اصولوں پر ان کا مذہب مبنی ہے۔تفصیل یہ ہے:

....

۱:عدل:

ان کا کہنا ہے کہ اللہ تعالی نہ ہی خالقِ شر ہے اور نہ ہی شر کا فیصلہ کرتا ہے۔ اگر خالقِ شر مان لیا جائے تو بندوں کے افعال شر پر پکڑ کرنا ظلم ہو گا حالانکہ اللہ تعالیٰ عدل کرنے والا ہے۔ اس لیے عدل یہی ہے کہ اللہ تعالی کو خالق شر نہ مانا جائے۔

۲:توحید:

قرآن مجید کو مخلوق مانتے ہیں۔ وجہ یہ بیان کرتے ہیں کہ اگر قرآن کو بھی قدیم مانا جائے تو تعدد قدماء لازم آئے گا جبکہ قدیم صرف ایک یعنی ذات باری تعالیٰ ہے۔

۳:انفاذ وعید:

اللہ تعالیٰ نے جن وعیدوں کو بیان کیا اور اپنی نافرمانی پر جن عذاب کی خبر دی ہے ان سزاؤں کو نافذ کرنا اللہ تعالیٰ پر واجب ہے اور معاف کرنا جائز نہیں ورنہ اپنے وعدے کی مخالفت کرنا لازم آئے گا کہ جرم پر سزا کو بیان تو کیا لیکن اسے نافذ نہیں کیا۔

۴:منزلۃ بین منزلتین:

گناہِ کبیرہ کا مرتکب ایمان سے خارج تو ہو جاتا ہے لیکن کفر میں داخل نہیں ہوتا۔

۵:امر بالمعروف و نہی عن المنکر

”امر بالمعروف“ یعنی جن کاموں کا انسان مکلف ہے اس کا دوسروں کو حکم دینا اور پابندی کرانا واجب ہے اور ”نہی عن المنکر“ یعنی ظالم ائمہ کے خلاف بغاوت اور

....

قتال کرنا ضروری ہے۔

جہمیہ:

یہ لوگ ”جہم بن صفوان السمرقندی“ کے متبعین ہیں۔ اللہ تعالیٰ کی تمام صفات کی نفی اور تعطیل کے قائل ہیں۔ ان کا موقف یہ ہے کہ جنت اور جہنم فنا ہو جائیں گی۔ جہم بن صفوان سمرقندی نے یہ عقائد جعد بن درہم سے لیے تھے۔ خالد بن عبد اللہ القَسرِی نے واسط شہر میں عید الاضحیٰ کے دن جعد بن درہم کو ذبح کر کے مارا تھا۔ جہم بن صفوان کی وفات سن 130ھ میں ہوئی۔ بعض روایات کے مطابق اس کو بھی قتل کر دیا گیا تھا۔

جبریہ:

یہ فرقہ انسان کو مجبور محض سمجھتا ہے۔ ان کا عقیدہ یہ ہے کہ بندہ کو اپنے افعال پر کوئی اختیار حاصل نہیں بلکہ اس کا ہر عمل محض اللہ تبارک وتعالیٰ کی تقدیر، علم، ارادے اور قدرت سے ہوتا ہے۔ اس لیے بندوں کے اچھے اعمال کی تعریف اور برے اعمال کی مذمت نہیں کی جا سکتی۔

قدریہ:

یہ ”قدر“ کی طرف منسوب ہے، تقدیر کی نفی کی وجہ سے انہیں قدریہ کہتے ہیں۔ ان کا کہنا ہے کہ انسان اپنے افعال پر قادر اور ان کا خالق ہے۔ کوئی کام انسان کے ارادہ اور قدرت کے بغیر نہیں ہو سکتا بلکہ سارے کام انسان کے چاہنے اور اختیار سے ہوتے ہیں، اللہ تعالیٰ کا ان سے کوئی تعلق نہیں بلکہ اللہ تعالیٰ کو حادثات وواقعات کا علم اسی وقت ہوتا ہے جب وہ وقوع پذیر ہوتے ہیں۔

اختتامیہ

نَحْمَدُہٗ وَنُصَلِّیْ عَلٰی رَسُوْلِہِ الْکَرِیْمِ أَمَّا بَعْدُ!

1: دین کا خلاصہ دو چیزیں ہیں: اوامر اور نواہی۔ اوامر سے اتفاق کرنا ہے اور نواہی سے اجتناب کرنا ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿وَمَآ آتَاكُمُ الرَّسُوْلُ فَخُذُوْهُ وَمَا نَهَاكُمْ عَنْهُ فَانْتَهُوْا.﴾ (الحشر:7)

ترجمہ: رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) تمہیں جو کچھ دے وہ لے لو اور جس سے منع کرے اس سے رک جاؤ۔

2: اوامر؛ خیر ہیں اور نواہی؛ شر ہیں۔ خیر چھوٹی سے چھوٹی ہو تب بھی اس کی جزا ہے اور شر چھوٹے سے چھوٹا ہو تب بھی اس کی سزا ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿فَمَنْ يَّعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ خَيْرًا يَّرَهٗ وَمَنْ يَّعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ شَرًّا يَّرَهٗ﴾

(الزلزال:7،8)

ترجمہ: جس شخص نے ذرہ برابر بھی اچھائی کی ہو گی وہ اسے دیکھے گا اور جس نے ذرہ برابر بھی برائی کی ہو گی وہ بھی اسے دیکھے گا۔

3: نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی صفات کا خلاصہ دو صفتیں ہیں؛ بشیر اور نذیر۔ بشیر کا معنی یہ ہے کہ فضائل سنا کر جنت کی طرف بلاتے ہیں اور نذیر کا معنی یہ ہے کہ وعیدیں سنا کر جہنم سے بچاتے ہیں۔

4: موت کے بعد ابدی اور دائمی ٹھکانے دو ہیں، ایک جنت اور دوسرا جہنم۔ جنت؛ اھلِ خیر اور اھل اوامر کا مقام ہے اور جہنم؛ اھلِ شر اور ھل نواہی کا مقام ہے۔

5: علماء کرام انبیاء علیہم السلام کے وارث ہیں۔ ان کو بھی چاہیے کہ امت کو بتائیں کہ

ا: اسلام کیا ہے اور کفر کیا ہے؟

۲: سنت کیا ہے اور بدعت کیا ہے؟

۳: خیر کیا ہے اور شر کیا ہے؟

۴: حق کیا ہے اور باطل کیا ہے؟

۵: اھل حق کون ہیں اور اھل باطل کون ہیں؟

اَللّٰھُمَّ أَرِنَا الْحَقَّ حَقًّا وَارْزُقْنَا اتِّبَاعَهٗ وَأَرِنَا الْبَاطِلَ بَاطِلًا وَارْزُقْنَا اجْتِنَابَهٗ وَصَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَعَلٰى آلِهٖ وَأَصْحَابِهٖ وَأَهْلِ بَيْتِهٖ أَجْمَعِيْنَ.

محتاج دعا

یکم رجب 1440ھ، 08-مارچ 2019ء

11 بجکر 20 منٹ سرگودھا سے اوکاڑہ

یادداشت

....
....
....
....
....
....
....
....
....
....
....
....
....
....
....
....
....
....
....
....
....
....